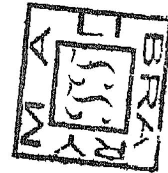
شرابِ ناب ہے ہر رنگ کی اپنے پیالے میں
وہ طرّہ کون سا گل میں ہے کیا ہے شاخِ لالے میں

آل انڈیا مشاعرہ

منجانب

انجمنِ خیابانِ اردو



انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



مرتبہٴ

احسن مارہروی

لکچرار اردو و پریسیڈنٹ اورینٹل سوسائٹی کالج

باہتمام

محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء طبع ہوا

بار اوّل

قیمت ۶ر



روداد

مشاعرہ کی جو ترکیب آج تمام ہندوستان میں دیکھی جاتی ہے، اس کی ابتدائی صحیح تاریخ کتابوں میں نہیں ملتی۔ فارسی تذکروں سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مختلف زمینوں میں شعر خوانی کے لئے جہاں چند شعرا جمع ہو جاتے تھے اُس صحبت کو مشاعرے کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا۔ آج کل کی طرح اُس نشست میں کسی خاص قافیہ و ردیف کی قید اور مصرع طرح کی پابندی سے غزلیں نہیں پڑھی جاتی تھیں، بلکہ ہر شاعر اپنی پسند سے اپنے منتخب اشعار سُنا کر سخن آفرینی کی داد لیا کرتا تھا۔

اکثر معاصرین شعرا کی بعض غزلیں ایسی پائی جاتی ہیں جو ایک ہی طرح میں کہی گئی ہیں، اُن کو دیکھ کر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے بیک وقت آج کل کی طرح اول سے کوئی مخصوص مصرع مقرر کر کے طبع آزمائی کی ہو گی۔ لیکن کسی تذکرے میں ایسی ہم طرحی انجمن کے انعقاد کا ذکر نہ ہونے سے اس شبہ کو تقویت نہیں ہوتی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک معاصر کی غزل سُن کر دوسرے ہم عصر نے اُسی قافیہ و ردیف میں غزل کہی ہو جسے آج ہم ایک وقت کی فکر سمجھ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ متقدمین کے اتّباع میں متاخرین کی بھی ہم طرح غزلیں اکثر ملتی ہیں، اُن پر بھی مشاعرے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

موجودہ طرز مشاعرہ کا اختراع و ایجاد ہندوستان کے اردو شعرا کی جدّت آفرینی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے اور وہ بھی ولی۔ حاتم۔ آبرو اور آرزو کے بعد۔ میر تقی میر اور اُن کے بعد اکثر تذکروں میں ایسی محفل مشاعرہ کا تذکرہ پایا جاتا ہے چنانچہ نکات الشعرا میں میر نے اپنے مکان پر مہینے میں دو مرتبہ مشاعرے کے منعقد کئے جانے کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز خواجہ میر درد کی خانقاہ میں بھی شعرا کا اجتماع اور شعر و سخن کے جلسے یادگار زمانہ ہیں۔ اُن کے بعد لکھنؤ میں مشاعروں کے چرچے اور انشا، مصحفی۔ ناسخ و آتش کے معرکے، دہلی میں شاہ نصیر، معروف۔ مومن و ذوق اور غالب کی صحبتیں ادب اردو کی تاریخ جاننے والوں پر مخفی نہیں۔ مولوی کریم الدین نے رجب ۱۲۶۱ھ

کے یادگار مشاعرے کا جو تذکرہ لکھا ہو آج تک زبان زد روزگار ہو حقیقت یہ ہو کہ اُس زمانے میں کیا عام و عوام اور کیا خاص و خواص کیا امرا کیا فضلا سب کے سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ہر گوشے میں یہی بساط سخن بچھی ہوئی نظر آتی تھی۔ ان اساتذہ کے بعد داغ و امیر اور اُن کے معاصرین کا دور آتا ہو جن کی معاصرانہ اور حریفانہ معرکہ آرائیوں سے ایک عرصے تک رام پور حیدرآباد کی صحبتیں گرم رہی ہیں۔

مشاعرے کے اس ایک صد سالہ دور نے ایسی صحبتوں اور جلسوں کو ایک مخصوص تقریب کی صورت میں قائم کر دیا ہے۔ جس طرح محرم کی مجلسوں اور میلاد کی محفلوں کو اشتہار اور اعلان کے ذریعہ سے مرجع انام بنایا جاتا ہی اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ خاص و عام اس صحبت سے دل چسپیاں حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں بھی یہ دستور کم و بیش تمام ادبی حلقوں میں پایا جاتا ہو مگر واقعہ یہ ہو کہ آج کل کے مشاعرے ایک طرف تو فریق بندی، جنبہ داری، حسد پروری کا شکار ہیں اور دوسری طرف بد مذاقی خفیف الحرکاتی اور خود پرستی کا ہدف۔ یہ حقیقت اگرچہ تلخ ہو مگر محض اس بنا پر کہ تلخ ہے اس کے حق ہونے سے کون انکار کر سکتا ہو۔ سودا کی ہجو گوئیاں انشا کا تمسخر۔ اسلاف پرستوں کے لئے ضرور محرک عمل اور تقلید کورانہ کے اسباب و علل ہیں مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اُن خوش وقتوں کی ایسی سخن آفرینیاں تفریحی اور وقتی ہوا کرتی تھیں اور جو کچھ وہ زبان سے بیان کیا کرتے تھے اس کا اثر بغض و حسد بن کر دلوں میں جاگزین نہیں ہوتا تھا۔ اُسی کے ساتھ ایسے مطائبات و طنزیات میں بھی فن سخن کے لئے اتنے فوائد و نکات چھوڑ جاتے تھے جن کے ذریعہ سے اہل ادب کو معلومات کا کافی سرمایہ ہاتھ آجاتا تھا۔

شاعری کی تعریفیں مشرقی اور مغربی اہل ادب نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق مختلف عنوانوں سے کی ہیں جن میں بکثرت تضاد و تخالف نظر آتا ہو۔ بایں ہمہ اس کی لطف اندوزی اور دل کشی سے کسی کو انکار نہیں۔ مجھے سب سے زیادہ جو تعریف پسند ہو وہ اس پرانے ہندی مقولے میں مضمر ہے یعنی "رائی کو پربت بنانا"۔ اس لطیف استعارے کو موجودہ مذاق کے مطابق ان الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہو کہ "شاعری درحقیقت ایک خورد بین ہو جس میں چھوٹی چیزیں بڑی بن کر

نظر آتی ہیں اس کو لوگ مبالغہ کہتے ہیں لیکن وہ مبالغہ نہیں بلکہ اس خوہ دہن کا اثر ہو اس خیال
کے باور کرنے میں کوئی شبہ نظر نہیں آتا کہ شاعری یقیناً ایک موہبت عظمیٰ ہو۔ جس طرح انسان کو
دوسری ظاہری و باطنی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں ہو بہو اسی طرح ہر فرد بشر کو ملکہ شاعری
عطا کیا گیا ہے۔ ہر ذی روح کتم عدم سے اپنے تمام جوارح و اعضا کے ساتھ دنیا میں آتا ہو
اور پیدا ہوتے وقت صوت محض کے سوا کسی قوت کو بروئے کار لانے کی قابلیت نہیں رکھتا
لیکن گھنٹوں، دنوں ہفتوں۔ مہینوں اور برسوں کے ختم ہوتے ہوتے باصرہ۔ ذائقہ۔ لامسہ
سامعہ۔ ناطقہ۔ ماسکہ۔ شامہ۔ حافظہ۔ مدرکہ غرض کہ تمام حسیات کا دور دورہ شروع ہوجاتا ہے
اگر کوئی مرض لاحق نہ ہوجائے اور اہل مقدور اپنی قوتوں کو ان کے مقدرات کے مطابق
معطل نہ رکھے تو یہ تمام احساسات حسب حیثیت اپنے ارتقائی مدارج طے کرتے رہتے ہیں اور
جن جن قوتوں کی مشق جاری رہتی ہو وہ روز افزوں ہوتی رہتی ہیں۔ غالباً ان اشاروں
کے بعد کسی صراحت یا تمثیل کی حاجت نہ ہوگی۔ ہر شخص جانتا ہو کہ ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان
جس کام کے لئے بنائے گئے ہیں اگر اُن سے وہ خدمات نہ لی جائیں تو ان کا وجود تو باقی رہتا ہو
مگر کالعدم۔ یہی کیفیت ملکہ شعر کی ہو کہ وہ ہر ذی روح میں موجود ہو لیکن اپنی جہالت اور ناواقفیت
یا عدم اطلاع سے اگر اس کو متحرک نہ کیا گیا تو یہ صرف ہماری بے حسی ہو نہ قدرت کی بے فیضی۔
یہ بات بھی خصوصیات فطرت میں داخل ہو کہ جس قوت سے جس مقدار میں کام لیا جائے گا اسی
قدر اس میں کمی و بیشی ہوتی رہے گی۔ اعضاء و قویٰ کے مکمل ہونے سے پہلے مکمل اعضا کی طرح
اگر اُن سے کام لیا جائیگا تو وہ بہت جلد بے کار ہوجائیں گے یا مکمل ہونے کے بعد مقدار سے زیادہ
خدمت سپرد کی جائے گی تو کسی نہ کسی عارضے میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ لیکن اُنھیں قوتوں کو اگر معین اور
معتدل حالت میں رکھ کر مشق کی جائے گی تو قوائے انسانی میں نہ صرف پائداری اور استقلال کی
شان پیدا ہوگی بلکہ دوسرے ہم جنسوں کے مقابل ایک امتیازی حیثیت اور ممتاز شخصیت قائم
ہوسکے گی جس کی بدولت وہ اپنے فن خاص میں سربرآوردہ شمار کیا جائے گا۔

فنون لطیفہ جن میں شاعری بھی شامل ہے انسانی تمدّن و معاشرت کے لحاظ سے اکتساب و استعمال کے لائق ہیں مگر نہ ایسے جن پر زندگانی معاشرت کا انحصار ہو۔ البتہ جس طرح کسی محنت و انہماک کے بعد آرام و سکون لازمی ہے اسی طرح اُس تسکین و راحت کو پُر لطف بنانے کے لئے ایسے تفریحی مشاغل ضروری و مفید مانے جاتے ہیں۔ ان مشاغل کے لئے سب سے پہلے مناسبت طبیعت اور ملکہ و استعداد کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد جس طرح اصلی فولاد کے جوہر صیقل و جلا سے نمایاں ہوتے ہیں اسی طرح اکتساب و مشق کے ذریعہ سے قوائے ذہنی کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔ حلق و حنجرہ۔ زبان و دہن ان سب کی مجموعی ترکیب و تخلیق مختلف آوازوں کا مخرج اور آلہ ضرور ہے مگر ترنّم و نغمہ سرائی کے لئے جب تک فن موسیقی حاصل نہ کیا جائے گا ان آوازوں میں کوئی دلکش ترتیب پیدا نہیں ہوسکتی۔

میرا مطمح نظر شاعری کے متعلق یہ ہے کہ شاعر جس کو بجا طور پر مصوّر کائنات کہا جاتا ہے اس کی قابلیت غیر محدود ہونی چاہیئے جس قدر قابلیت وسیع اور نظر بلند ہوگی اسی قدر ایک دقیقہ رس طبیعت بآسانی معنی یاب ہوسکے گی۔

مشرقی شاعری میں پابندیٔ قوافی اور بعض اصولی خصوصیات کا انحصار وقت طلب ضرور ہے لیکن یہ پابندیاں اسی لئے لازم کی گئی ہیں کہ خواص شعرا کے سوا عوام کی ہوسناکی اس فن لطیف کو سخیف نہ بنا سکے۔ تاریخی ورق گردانی کے بعد جس قدر اسلاف پر نظر ڈالی جائے گی تو قدیم شعرا میں سخن پرست تو بے شمار نظر آئیں گے مگر سخن گو معدودے چند ہی ہوں گے۔ بخلاف عہد متاخرین کے کہ شعرا کی تعداد بڑھتے بڑھتے حد سے متجاوز ہوگئی ہے۔ اس افراط و تفریط میں یہی نکتہ ہے کہ جب تک شاعری ان افراد کے لئے مخصوص رہی جو جامع العلوم تھے اس وقت تک شعرا کی تعداد نہایت موزوں حد تک قائم رہی۔ اور جب کم علم شعرا نے بھی آزادی سے یہ پابندی اختیار کی تو شاعری کی منزل مقصود قافیہ پیمائی تک محدود ہوگئی۔ یہ کیفیت اس وقت کی ہے جب کہ قافیہ ردیف۔ صنائع و بدائع اور استعارہ و تشبیہ غرض کہ تمام قیود و ضوابط کا التزام بطور فرض

واجب کے تھا۔ اب کہ مشرقی علوم و فنون کی ورق گردانی برائے نام امتحانوں کے گھنٹوں تک رہ گئی ہے شاعری کی پرانی بندشوں کو توڑ کر موجودہ شعرا کو اور زیادہ مطلق العنان بنا دیا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر عصر حاضرہ کی غیر مقید شاعری بھی قدما کی طرح مخصوص حیثیت اور نمایاں شخصیت والوں کے لئے (زررو محفوظ) رہے تو یقیناً اردو کے لئے طرۂ امتیاز ہے۔ ورنہ بقول مرزا غالب کے

"ایسی شاعری سے گھنڈ کھنا بہتر ہے۔"

بعض سخن سنجانِ حال کی نغمہ سرائیوں میں فارسی و عربی کے نامانوس الفاظ اور اُن کی مختلف النوع غلط ترکیبیں بکثرت پائی جاتی ہیں اور محض اس آمیزش و افزائش کی وجہ سے اس نظم کو عام مستمعین میں بعض اوقات شرف خاص حاصل ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ تحسین ناشناس کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ایسی سخن آفرینیوں کو اصطلاح عوام میں بلیغ کہا جاتا ہے جس کو اہلِ نظر فن بلاغت کی توہین سمجھتے ہیں۔ علم بیان و معانی میں فصاحت و بلاغت لازم و ملزوم ہیں یعنی فصاحت بغیر بلاغت کے بازاری بول چال ہے اور بلاغت بغیر فصاحت کے مہمل۔

ان خیالات سے ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو یہ اشتباہ پیدا ہو کہ ہم سرے سے اُردو زبان کی توسیع یا خیالات کی اصلاح کے مخالف ہیں۔ حاشا و کلّا۔ ہمارے نزدیک اگر اُردو کو علمی زبان بنانا ہے اور اس میں ہر قسم کے خیالات ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہے تو بغیر تجدید و توسیع چارہ نہیں لیکن واضح رہے کہ اس تجدید کی بھی تجدید ضروری ہے ورنہ یہ خواب توسیع طلب کثرت تعبیر سے بہت زیادہ پریشان کن ثابت ہوگا۔ اس مقصود کے تحفّظ کے لئے ضرورت ہے کہ اُردو کو اہلِ ادب وقتاً فوقتاً باہم مجتمع ہوں اور زبان کی اصلاح اور ترقی کی تدابیر پر غور کریں اس قسم کی کوششیں انفرادی حیثیت سے مقبول نہیں ہو سکتیں۔

انھیں اجتماعی صورتوں میں سے ایک صورت کا نام "مشاعرہ" ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ چند سخن گو اور سخن سنج اصحاب جمع ہو کر اشعار سنیں اور سنائیں اور برمحل تحسین اور حسب موقع نکتہ چینی سے زبان کی اصلاح اور مذاق کی درستی کی خدمت انجام دیں۔

ان امور پر نظر کرتے ہوئے ارکان انجمن خیابانِ اُردو کی خواہش تھی کہ ایک ایسی بزم سخن منعقد کی جائے جس میں ہندوستان کے نامور اساطین شعر و ادب مدعو کئے جائیں اور اُن کی سربراہی میں انجمن مذکور صحیح معنی میں اردو ادب کی اصلاح کی طرف قدم اٹھائے۔ انجمن کی ہمیشہ یہ آرزو رہی ہو کہ اپنے ارکان میں ادب کا بلند معیار پیدا کرے اور تنقید عالی کا ذوق بروئے کار لائے۔ چنانچہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر دارالعلوم علی گڑھ میں ۲۹-۳۰ نومبر ۱۹۲۷ء کو محفل مشاعرہ کی ترتیب قرار پائی اور اُردو فارسی طرحوں کے علاوہ ایک موضوع (شاعر کا نصب العین) بھی شعرائے نازک خیال کی طبع آزمائی کے لئے مقرر کیا گیا۔

کافی انتظار اور بڑے ارمانوں کے بعد مشاعرے کی تاریخ آئی اور انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونی ورسٹی کے آراستہ میرس یونین ہال میں مہمانانِ عزیز۔ اساتذہ اور طلبائے کالج و یونیورسٹی نے جمع ہو کر حاضرین کو اپنے کلام سے محظوظ کیا۔

انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک بالعموم مشاعرے کی ترتیب اس طرح ہوا کرتی تھی کہ ایک آراستہ مقام پر فرش نشست کی جاتی اور بغیر کسی امتیاز و ترتیب کے سامعین و شعرا مل جل کر بیٹھتے اور ہر شخص کے سامنے شمع گردش میں لائی جاتی اس غیر مرتب نشست میں جس کے پاس غزل نہ ہوتی وہ شمع کو دوسرے کی طرف بڑھا دیتا۔ اس ترکیب میں ہم خیالی و مساوات کا سبق ضرور حاصل ہوتا تھا لیکن بسا اوقات شاعر و غیر شاعر کی مشارکتِ نشست نہ صرف بدنظمی کا باعث ہوتی تھی بلکہ آدابِ تکلف اور اصرار غزل خوانی وغیرہ کے سبب سے بزم مشاعرہ کے جمے ہوئے لطف میں ایسا انتشار پیدا ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے مشاعرے کا رنگ بار بار پھیکا پڑ جاتا تھا۔ غرض کہ اسی قسم کے خیالات نے فی زمانا باستثنائے بعض تمام شہروں میں مشاعرے کی ترتیب بدل دی ہے اور اب عموماً شعرا کے لئے مخصوص اور نمایاں جائے نشست مقرر کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی انداز سے یونین ہال کے بلند چبوترے پر (ڈائس) صدر مشاعرہ کے ساتھ شعرا رونق افروز تھے۔ باقی تمام ہال میں کرسیوں اور بنچوں پر سامعین بھرے ہوئے تھے۔ مجمع کی تعداد اتنی

زیادہ تھی کہ ہال کے بالائی (گیلریز) حصے کے پُر ہو جانے کے بعد بھی اکثر شائقین وسامعین برآمدوں میں کھچا کھچ نظر آتے تھے۔ غرض کہ جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر یہ بزم سخن ترتیب دی گئی تھی اس کے اعتبار سے جلسہ ہر طرح کامیاب رہا اور امید ہے کہ آیندہ انجمن خیابان اُردو کی خدمات مساعی کامیاب تر ثابت ہوں گی۔

اس مشاعرے کی ظاہری تحریک وترتیب اگرچہ مجھ حقیر بے توقیر سے وابستہ تھی۔ مگر فی الحقیقت جو قوت روح رواں کی طرح اس پیکر عمل میں سرایت کئے ہوئے تھی وہ جناب محترم ومفخم قریشی صاحب پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی فراخ حوصلگی ہمت افزائی اور بلند نظری تھی جن کے اشارۂ چشم نے نہ صرف مجھ تابع فرمان کو نقش تسخیر بنا دیا تھا بلکہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مشاعرے کے مجمع کثیر اور طالب علموں کے جم غفیر کو اُن کی جنبش ابرو نے پیکر تصویر بنائے ہوئے تھی جس سکوت وسنجیدگی سے از اول تا آخر مشاعرہ قائم رہا اس کی مثال تاریخ دارالعلوم میں نہیں ملتی۔ مشاعرے کا سلسلہ دو راتوں تک قائم رہا اور اگر بعض ضروری اور تعلیمی پابندیاں عائد نہ ہوتیں تو غالباً یہ دور تسلسل دو راتیں اور لیتا۔

مشاعرے میں میرے معین ومددگار قریب قریب تمام عزیز طالبانِ علم رہے مگر خصوصیت سے انجمن خیابان اردو کے معتمد اعزازی محمد مسلم صاحب عباسی اور مسٹر عتیق الدین صاحب مع جملہ اراکین انجمن اور علی الخصوص یونیورسٹی کے عزیز ترین طلاب مشیر احمد صاحب علوی بی اے کلیم الدین صاحب بی اے۔ نظام صاحب بی اے اور مسٹر ابو نصر صاحب وغیرہ نے اپنی ان تھک محنتوں اور بے عذر خدمات سے بہت زیادہ تقویت پہنچائی۔ نہایت خلوص اور ممنونیت کے ساتھ تمام اعزہ واحباب کا شکر گذار ہوں۔

بیرونی مہمانوں کو تکلیف دینے کے بعد جو نازک خدمات خادمان مقامی کے متعلق ہوتی ہیں وہ زیادہ تر معزز مہمانوں کی خاطر ومدارات اور سامانِ آرام وآسایش کی فراہمی۔ اور طعام وقیام کی ضروریات پر مشتمل ہیں۔ ان کاموں کے لئے جیسے مستعد وسیع النظر تجربہ کار اور ذی ہوش

صحن کی ضرورت تھی یا وجود آسانی اور ہر جگہ موجود نہیں۔ مگر انجمن خیابان اردو کو اپنی
خوش قسمتی سے ... حضرت ... میرے ... دوست مولوی محمد حاذق صاحب ایم اے لکچرار فارسی مسلم یونیورسٹی
... کی قابلیت نے ہر حیثیت سے مہمانوں کے طعام و قیام کا بندوبست ایسے اعلیٰ
پیمانے پر خوش اسلوبی سے فرمایا جس کے شکریے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ لہذا

"خاموشی از ثنائش حد ثنائے اوست"

مجھے ندامت آمیز افسوس ہے کہ مشاعرے کی روداد اور نظموں کا گلدستہ بہت دیر میں شائع
ہو رہا ہے اس توقف ... کے اسباب و موانع کا اظہار اور زیادہ ندامت و افسوس کا باعث
ہوگا۔ بس اتنا ... عرض کروں گا۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

یہ حقیقت ہے کہ توقف نے اتنا طول کھینچا کہ حسب خواہش روداد بھی نہیں لکھی جا سکی۔
اور وقت ... سے تفصیل ... کا بیان آ چکی ہیں اور راقم السطور تعطیل کلاں سے پہلے
... ضرورت ... علی گڑھ ... ہو رہا ہے دوران سفر میں یہ چند سطریں قلم برداشتہ لکھ کر
ضیافت ناظرین کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ بہرحال

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
قطرہ قطرہ جو ہوا جمع تو دیوان کیا

اس مشاعرہ میں علاوہ ان بیرونی حضرات کے جن کی نظمیں اس مجموعہ میں شامل ہیں ایک خاص
اور قابل قدر ہستی اور بھی عزت بخش تھی جن کی شہرت کا عمومی آوازہ نظم شاعری کے عوض نثر شاعری
میں "گلابی اردو" کے نام سے تمام ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ یعنی ضیاء الملک ملا رموزی
توحیدی۔ اس مخصوص النوع نگارش کے لئے موقع اور حامی بلغ العلیٰ بھی خاص شہرت رکھتے ہیں مگر
میں اس امتیاز کو ظاہر کرنے کے بعد کہ ملا رموزی ہنوز ... سالہ نوجوان ہیں کہہ سکتا ہوں کہ ان کی
تحریروں میں جو پختگی، متانت، جاذبیت اور کشش پائی جاتی ہے دوسروں میں نہیں۔

میرے اصرار پر ممدوح نے اس مشاعرے میں کسی نظم پڑھنے کے عوض اپنی روش خاص میں مشاعرے کی رپورٹ تحریر فرمائی ہو جس کو بغیر تامل و تاویل اور بلا تحریف و ترمیم بحرفہ یہاں نقل کرتا ہوں۔ اس نثر شاعری کے بعد شعرا کی طبع آزمائیوں کے مطالع میں زیادہ لطف آئے گا۔

خاکسار

احسن مارہروی

۱۲ر جون سنہ ۱۹۲۸ء

مشاعرہ کا علی گڑھ

وہ جو اخباروں میں اعلان ہوا تھا کہ "مشاعرہ میں علی گڑھ" ہونے والا ہے سو وہ ۲۹ و ۳۰ر نومبر کی راتوں میں علی گڑھ کالج کی " المعروف بہ یونی ین" میں بر پا ہو گیا۔ یہ اعلان چونکہ ادبیات اُردو کے دیرینہ محسن حضرت قبلہ مارہروی احسن صاحب مدظلہ کی طرف سے کیا گیا تھا اس لئے جب ہم مشاعرہ میں داخل ہوئے تو ممدوح صدارت کی کرسی سے کرسی ملا کر بیٹھے نظر آئے اس سے ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ دور بیٹھنے والے کبھی کبھی آپ ہی کو صدر صاحب سمجھ لیتے تھے۔ ایک صاحب نے محض اتنی سی بات پر صدارت کی کرسی سے اپنی کرسی ملالی تھی کہ شعرا سے غزلیں لے کر ایک کے اوپر ایک کرکے رکھتے جائیں بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کو اس کا حق تھا۔

اصولاً ہر شخص کو اُمید تھی کہ اس عظیم الشان مشاعرہ کے صدر بھی کوئی عظیم الشان سلطان الشعرا ہی ہوں گے اور ہوا بھی یہ کہ مولانا حسرت موہانی کو صدارت دی گئی لیکن خدا جانے وہ کس "مشق سخن" اور "چکی کی مشقت" کے باعث تشریف نہ لاسکے تو صدارت کا معاملہ محترم پرنسپل صاحب کو پیش کیا گیا اور "معتبر ذرائع" سے اطلاع ملی کہ عالی جناب پرنسپل صاحب نے صدارت سے صاف

انکار کر دیا لیکن جب ممدوح کو ہر طرح مجبور ہی کر دیا تو آپ نے بھی جھنجلا کر افتتاحی تقریر انگریزی زبان میں کر ڈالی۔

مشہور اور قابل ذکر لوگوں میں سب سے زیادہ ہم خاکسار ملّا رموزی، ابو الاثر جالندھری حفیظ صاحب ایڈیٹر مخزن لاہور، مرادآبادی مولوی بدر جلالی بی اے ایڈیٹر اخبار مدینہ بجنور۔ مرادآبادی حضرت جگر اکبرآبادی حضرت سیماب ثم الاکبرآبادی حضرت ساغر، حضرت دہلوی ساحر۔ حضرت مرزاپوری صفدر صاحب حضرت ہاپوڑی اطہر صاحب حضرت بی اے ایل ایل بی شاد صاحب، کالج اور یونیورسٹی کی سمت سے حضرت رشید احمد صدیقی ایم اے ایڈیٹر سہیل۔ حضرت پروفیسر حاذق، حضرت جلیل قدوائی بی اے، حضرت مسعود ذوقی بی اے وغیرہ خاص تھے۔ بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ ان میں سے ہر شخص نے حسب توفیق گا کر غزل پڑھنے کی کوشش کی صرف قبلہ احسن صاحب نے اس حرکت سے اظہار بے بسی فرمایا۔

کالج کے آئین و ضوابط میں آیا ہے کہ ہر جلسہ کے شروع میں قرآنِ محترم کی تلاوت ہو لہٰذا عالی قدر صدر نے تلاوت قرآن کا اعلان فرمایا نتیجہ یہ ہوا کہ چند مونچھیں منڈے طلبا کو بھی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا پڑا۔ قاری صاحب کا شاید آموختہ کچا تھا اس لئے وہ جو ایک جگہ بھولے تو قبلہ احسن صاحب نے بھی لقمہ دینے میں کمی نہ کی۔ پہلے کالج کے طلبا نے غزلیں پڑھیں جو بمقدار علم اچھی تھیں۔ ایک طالب علم جو اب تک کالج بھر صرف مولانا محمد علی شوکت علی اور ظفر علی خاں ہی کو "مایۂ ناز" سمجھے ہوئے ہیں ایک غلط شعر پڑھنے پر روک دئے گئے جس میں "غلام السیدین" کا وزن غلط تھا،

کالج اور یونیورسٹی کے لوگوں میں حضرت مسعود ذوقی، حضرت جلیل قدوائی، حضرت حاذق صاحب پروفیسر اور حضرت قبلہ احسن صاحب کا کلام بے حد پسند کیا گیا۔ اس کے بعد مہمان شعرا کی باری آئی اور سب سے پہلے دہلی "اودھ کے اہل زبان" لوگوں کی یادگار کے طور پر حضرت زرہ

کانپوری کام آئے جنھوں نے پہلے اپنے پاس ایک مرادآبادی اگالدان اور ایک گلاس پانی رکھوالیا اور بجائے کرسی زمیں دوز ہو کر بیٹھ گئے اور معًا اچھل پڑے یعنی مطلع ارشاد فرمایا اور تمام اشعار ہیں کودتے رہے۔ ایک جگہہ جیب سے تمغہ بھی نکال کر ڈال دیا جس کے یہ معنی تھے کہ مجھے سمجھا کیا ہے؟ مگر لوگوں کی بے مروتی دیکھئے کہ کسی نے اس تمغہ پر نظر بھی نہ ڈالی اور ممدوح کمبل سنبھال کر اپنی جگہہ پر جا بیٹھے۔

گانے والے شعرا میں وہی جو مقبول عام جنتری کے مشہور ہیں نہایت آن بان سے اسٹیج پر تشریف لائے نظم ارشاد فرماتے وقت کہیں کہیں اکڑ کر خاص دوست کو نام لے کر پکارتے اور ڈانٹ ڈانٹ کر پڑھنے کی خدائی فوجداری کی مزید توفیق بھی صرف آپ ہی کو حاصل تھی۔ پھر طرفہ یہ کہ آپ "موسمی حوائج ضروری" سے بھی مرتب ہو کر تشریف لائے تھے چنانچہ کرسی پر جو آپ آئے تو نصف سگار پیتے اور بغیر پہنے گرم دستانے اس طرح ہاتھ میں لئے ہوئے تھے گویا ہیں کے بڑے ہی "ہز مجسٹی" ہیں جو اپنے اسٹیج کے لئے تصویر کھچوانے جا رہے ہیں۔ پھر کمال یہ کر دکھلایا کہ نظم سے پہلے دو چار رٹے ہوئے الفاظ کی معرکۃ الآرا تقریر بھی کی۔

جناب مذکورہ کے بعد حضرت جالندھری حفیظ صاحب کا نام ناگاہ جو پکارا گیا تو حاضرین میں ہندو مسلم فساد کے رنگ کا شور پیدا ہوا اور جس وقت حفیظ صاحب نے اپنا باسی کلام تازہ لے میں ارشاد فرمایا تو تحسین و آفریں کے نعروں میں اصل کلام سننا محال تھا ہر شخص اپنی جگہہ پر بے چین تھا۔ مگر وہ جو کہا ہے کہ ؎

"خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد"

تو کالج کے ایک نوجوان پروفیسر بھی تھے جو ٹس سے مس تک نہ ہوئے البتہ کہیں کہیں ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ جاتے تھے گویا اُن کے سامنے اُن کے اہل و عیال کھیل رہے تھے اور وہ مارے

بزرگی کے ان کی طرف سے اعراض فرمارہے تھے ۔

غیر گانے والے شعرا میں حضرت سیماب اکبرآبادی، جگر مرادآبادی، حامد سعید خاں حامد بھوپالی
حفیظ جالندھری کا کلام نہایت درجہ پسند و مقبول ہوا ۔ خدا اپنے بڑے مولوی صاحب کو ان حرکات
سے محفوظ رکھے ۔ دوسری رات کو عالی مرتبہ صدر نے بے حد تپاک اور مہربانی سے مہمانوں کا شکریہ ادا
کیا اور مہمانوں کی طرف سے بغیر مشورہ کئے حضرت بدر جلالی ایڈیٹر مدینہ نے جہاد کے لہجہ
میں کالج کا شکریہ ادا کر کے معاملہ طے کر دیا۔

مشاعرہ کو کامیاب بنانے کے لئے حضرات گرامی قدر قبلہ مولوی احسن صاحب مارہروی،
محترم و مکرم پرنسپل صاحب کالج اور تمام چائے پلانے والے حضرات حامیانِ اردو کے شکریہ
کے مستحق ہیں۔ فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصرعِ طرح

"نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکاں میں نہیں"

اثرؔ خاں صاحب جناب مرزا جعفر علی خاں صاحب لکھنوی

کسی کی یاد ہے شعلہ دلِ تپاں میں نہیں
نویدِ وصل ہے یہ التہاب جاں میں نہیں

شروعِ عشق کی رنگینیاں بیاں میں نہیں
وہ شرحِ شوق جو بہکی ہوئی زباں میں نہیں

فقط یہی نہیں رونق اب اس مکاں میں نہیں
فروغِ شمعِ حرم دیرِ بتاں میں نہیں

ستم شریک جو بیداد امتحاں میں نہیں
وہ شورِ تشنہ لبی آہِ ناتواں میں نہیں

تری تلاش کی دشواریاں معاذ اللہ
کہ نام کو ہے اور نشاں میں نہیں

کرم قبول مگر لذتِ ستم کے لئے
خطا معاف! مزا عیشِ جاوداں میں نہیں

نگار خانۂ رضواں بھی ہے تو ویراں ہے
ترے خیال کا آئینہ حسنِ مکاں میں نہیں

یہ کیا سلوک کیا تو نے آہِ نیم شبی
وہ ہوک دل میں وہ لذت غمِ نہاں میں نہیں

رہینِ منتِ صیاد ہوں کہ لطفِ خلش
صفیرِ بلبلِ نالاں سے آشیاں میں نہیں

یہ طعن سن کے تو اٹھے نگاہ شرم آلود | کوئی بھی تیر اس اتری ہوئی کماں میں نہیں
تری نگاہ کا عالم شراب کی مستی | غلط غلط کہ مئے ایسی کسی دکاں میں نہیں
جگر کی سمت پلٹ جائیں پارہ ہائے جگر | کمی لہو کی ابھی چشم گل فشاں میں نہیں
ہزار رنگ ہیں ہر رنگ میں ہے بے رنگی | ہزار راز ہیں جو دہم رازداں میں نہیں
مجھے بتاؤ یہ سودائے جستجو کیوں ہے | کوئی جو یوسف گم گشتہ کارواں میں نہیں
چمن نہیں ہے اثر بزم ہے یہ احسن کی | غزل ہے دستۂ گل دستِ باغباں میں نہیں

احسن مارہروی مہتمم مشاعرہ

نصیب برق چمن در باغباں میں نہیں | قفس میں رہتے ہیں گویا ہم آشیاں میں نہیں
مرے نیاز عقیدت سے ہے وہ ہم آغوش | ترا غرور، تری خاک آستاں میں نہیں
نظر ہو، دل ہو کہ سر ہو، سب اسکے گھر ہیں مگر | عجب مکیں ہے کہ ساکن کسی مکاں میں نہیں
کھچی ہوئی چلی آتی ہے کس لیئے دنیا | کوئی کشش جو ترے سنگ آستاں میں نہیں
یہ جانتا ہوں کہ پامال کن ہے وہ بھی مگر | تمھاری چال کے انداز آسماں میں نہیں
ہمیں کو کچھ نہیں آتا، ہمیں نکمّے ہیں | وگرنہ شے کوئی بیکار اس جہاں میں نہیں
بڑا ہے خضر سے بھی عمر میں۔ بس اس کے سوا | کرامت اور کوئی پیر آسماں میں نہیں
یہ میرے ضعفِ دلی کی قوی ہے اک دلیل | کہ طاقت اس کے بیان کی مری زباں میں نہیں
مجازاً اک طلسمِ خیال ہوں احسن | حقیقۃً کوئی ہستی مری جہاں میں نہیں

اختر محمد فیاض الحق صاحب (خیرآبادی) متعلم انٹرمیڈیٹ کالج علیگڑھ

دعا میں رنگِ مسرت، اثر فغاں میں نہیں | مرے نصیب کی آسائشیں جہاں میں نہیں
نظامِ حسن، کوئی میری داستاں میں نہیں | زبان بیاں میں نہیں ہے، بیاں بیاں میں نہیں

وہ رنگ ہے مری یاس ماندگی قسمت کا
کہ جیسے ذرّہ کوئی گردِ کارواں میں نہیں

ترے شباب کی رنگینیاں معاذ اللہ
لہو کی بوند مرے قلبِ ناتواں میں نہیں

شعاعِ مہر ہے یا اک غریب کا مسکن
یہ امتیاز بھی اب برق و آشیاں میں نہیں

جو میں نہیں ہوں تو یہ قافلہ کی حالت ہے
کہ رنگِ حسنِ طلب گردِ کارواں میں نہیں

نظر اٹھاؤ بدل دو فضائے شامِ الم
کوئی حسین ستارہ اس آسماں میں نہیں

اب اٹھ رہی ہے کسی روئے دلستاں سے نقاب
جب ایک سانس بھی اس قلبِ ناتواں میں نہیں

فلک کے نیچے ہوں اور عرش پر ہے اوجِ خیال
جہاں میں تو ہوں لیکن میں اس جہاں میں نہیں

اصغر - جناب مولوی اصغر حسین صاحب آنریری اسسٹنٹ کلکٹر مین پوری

نہ ہو جو رحمِ دلِ برق تو اماں میں نہیں
نگاہ میں ہیں وہ تنکے جو آشیاں میں نہیں

مری جبیں میں نہیں تیرے آستاں میں نہیں
بہائے سجدہ کہاں ہے؟ کسی جہاں میں نہیں

ریاضِ دہر میں وہ بدنصیب بلبل ہوں
کہ بوئے گل کا گزر میرے آشیاں میں نہیں

نگاہِ ناز کے اس تیر کو کہاں ڈھونڈوں
جو اب کمیں میں نہیں ہے جو اب کماں میں نہیں

وہ ایک جذبۂ کامل جسے اثر کہیے
صدائے دل میں ہے ناقوس میں اذاں میں نہیں

بہارِ جلوۂ گل یا بلائے برقِ تپاں
وہ کیا ہے جو خس و خاشاکِ آشیاں میں نہیں

نہ پوچھ حال کچھ اس بے نشاں مسافر کا
کہ جس کی گرد بھی اب گردِ کارواں میں نہیں

حجابِ یاس میں پنہاں ہے اک کیفِ وصال
مرے یقیں میں نہیں جو تری گماں میں نہیں

نمودِ جلوہ سے کانٹے بھی ہیں چمن بردوش
ہزار حیف کہ بلبل ہی آشیاں میں نہیں

حدیثِ دردِ محبت بیاں کیا کیجے
نفس کا دخل سراپردۂ فغاں میں نہیں

جنونِ بے خودی ہوش ای معاذ اللہ
بہار آئی چمن میں ہم آشیاں میں نہیں

نسیمِ خلد مسرت کا ذکر کیا اصغر
ہوائے غم بھی مرے کیفِ جاوداں میں نہیں

اطہر — سید معشوق حسین صاحب اطہر بوڑی منصف ریاست جے پور

کوئی علامتِ ظاہر تپِ نہاں میں نہیں
دہن میں چھالے نہیں آبلہ زباں میں نہیں

کچھ انقلاب بھی اب دورِ آسماں میں نہیں
کہ تفرقہ کوئی دشمن کے جسم و جاں میں نہیں

اگر زباں میں نہیں ہے اثر فغاں میں نہیں
اثر فغاں میں ہو کیونکر اگر زباں میں نہیں

ہوئی ہے اب متعدی ہماری بیتابی
کہ ضبطِ راز کی بھی تاب راز داں میں نہیں

وہ کونسا ہے غم و دردِ عشق کا عنواں
جو نامرادِ محبت کی داستاں میں نہیں

ملی یہ داد ہمیں اپنی جبہ سائی کی
کہ نقشِ سجدہ کوئی سنگِ آستاں میں نہیں

مزا ہے عشق میں رہ رہ کے دم نکلنے کا
وفا کی شان کوئی مرگِ ناگہاں میں نہیں

یہ فکر ہے مجھے گزرے گی خلد میں کیوں کر
کہ زندگی کا مزا عیشِ جاوداں میں نہیں

جو اس کی چشمِ فسوں گر میں ہے اثر واعظ
مری فغاں میں نہیں آپ کے بیاں میں نہیں

شبِ فراق کی تاریکیاں خدا کی پناہ
کہ درد کی بھی چمک اب دلِ تپاں میں نہیں

نہ آب و دانہ کا غم تھا نہ برق و باد کا ڈر
مزے قفس میں جو حاصل تھے آشیاں میں نہیں

کچھ اُن کی آنکھ اُڑا لے گئی کچھ اُن کی ادا
اثر کا نام بھی اب نالۂ و فغاں میں نہیں

وہ دینگے اب کسے افشائے عشق کا الزام
کہ بوند بھر بھی لہو چشمِ خوں فشاں میں نہیں

ہمیں نہ اُن کا بھروسا نہ آسرا اس کا
بتوں میں مہر و وفا جانِ ناتواں میں نہیں

جو اُس کی آنکھ میں اس کی ادا میں شوخی ہے
وہ برق میں نہیں داغِ دلِ تپاں میں نہیں

ہمارا طالعِ خفتہ ہو کس طرح بیدار
کہ خوابِ راحت کو بھی چشمِ پاسباں میں نہیں

غزل تو لکھی مگر کچھ نہ لکھ سکے اطہر
مزا زباں میں نہیں دلکشی بیاں میں نہیں

افضال - افضال حسین صاحب قادری بدایونی متعلم ایف اے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

عبودیت کا تعلق بھی جسم و جاں میں نہیں — جو ہم وہ تم ہو کوئی غیر درمیاں میں نہیں

رہینِ عرضِ تمنا نہیں دلِ بے تاب — خوشا کہ طاقتِ گفتار اب زباں میں نہیں

نہ خوفِ برق نہ صیاد کا کوئی کھٹکا — کہ چار تنکے بھی اب میرے آشیاں میں نہیں

مجاز اور حقیقت یہ ایک دھوکا ہے — غلط کہ جلوۂ حق پردۂ بتاں میں نہیں

نشاطِ روح کہ رنگینیٔ تخیلِ گل — بہار مجھ سے تو چھوٹی کبھی خزاں میں نہیں

یہ دیکھ کر مرا خط کہہ رہا ہے قاصد سے — کسی کے خون کی سرخی بھی داستاں میں نہیں

فریبِ عشق میں آنا نہ بھول کر افضال — کہ نامِ مہر و وفا آج کل جہاں میں نہیں

بسمل - ممتاز احمد صاحب (داناپوری) متعلم فورتھ ایر کلاس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہے ایسی کون سی گردش جو اس جہاں میں نہیں — وہ میرے پاؤں میں ہوگی جو آسماں میں نہیں

یہ مانا دل میں، نظر میں، کسی مکاں میں نہیں — وہ کیا خدا سے بھی بڑھ کر ہیں جو گماں میں نہیں

چکائے کون؟ یہ جھگڑا ہے آرزوؤں کا — امید و یاس ہے اور کوئی درمیاں میں نہیں

چمن سے دور، گلوں سے جدا، صبا سے الگ — قفس کا عالمِ بے رنگ آشیاں میں نہیں

نہ دیکھی ظاہر و باطن کی ہم نے یکرنگی — خلش سی دل میں ہے جنبش مگر زباں میں نہیں

نظر جو آتے ہیں شرماتے ہیں کیوں مجھ سے — یہ میری آنکھوں کے تارے تو آسماں میں نہیں

جو رہ گئے ہیں وہ نقشِ قدم پہ بڑھ آئیں — پلٹ کے تکنے کی قوت تو کارواں میں نہیں

وہ ابتدا پہ ہے خوش، انتہا پہ ہیں غمگیں — مری نظر میں جو ہے، وہم باغباں میں نہیں

جدا اثر سے نہ ہو شرحِ آرزو بسمل — نہیں ضرور جو رنگینیاں بیاں میں نہیں

بشیر۔ ڈاکٹر محمد بشیر صاحب ساکن شہر آگرہ محلہ حکیمان

خوشی وہ ہیچ ہے جو میرے قلب و جاں میں نہیں
وہ غم فضول ہے جو بخت دشمناں میں نہیں

ادا و ناز و کرشمے گراں بہا سب ہیں
حقیر کوئی بھی شے حسن کی دکاں میں نہیں

تمھاری مانگ سے اے جان اس کو کیا نسبت
جو آب و تاب ہے اس میں وہ کہکشاں میں نہیں

تمھارے ابروئے خمدار میں جو ہے بُرّش
وہ کاٹ تیغ و تبر خنجر و سناں میں نہیں

یہ کیا کہا کہ نہیں کچھ بھی ذکر یوسف پر
تمھیں حسیں ہو فقط اور کوئی جہاں میں نہیں

ہنر ہے مانی و بہزاد کا بھلا پھر خاک
لچک فکر کی جو تصویر مہوشاں میں نہیں

سنی بھی آ کے اذاں جب گئے نماز ہوئی
زیادہ رہنے کی مہلت ہی اب جہاں میں نہیں

ذرا جو صبر میں اور خامشی میں ہے اے دل
وہ لطف آہ میں شیون میں اور فغاں میں نہیں

یہ کیا کہ آپ سے تم، تم سے تو لگے کہنے
برا نہ مانئے تہذیب اس زباں میں نہیں

نکل کے آنکھ سے کہتے ہیں اشک خوں آلود
امید زیست کی اس کشتیٔ رواں میں نہیں

بھلا میں چین سے کیا خاک سوؤں مرقد میں
شبیہ تک بھی تو اُن کی مرے مکاں میں نہیں

چڑھا جو چار کے کاندھے تو ہنس کے فرمایا
کہ بعد مرگ بھی کچھ فرق عز و شاں میں نہیں

بشیر دل کی حقیقت کو کیا بیاں کر دوں؟
ذرا بھی چین اسے عشق گل رخاں میں نہیں

تاج۔ جناب ظہیر الدین صاحب زبیری میرٹھی

اثر زباں میں نہیں درد کچھ فغاں میں نہیں
کوئی ذرا بھی تو اُف! میری داستاں میں نہیں

گداز دل میں نہیں لطف داستاں میں نہیں
ہنوز کوئی بھی رنگ اثر بیاں میں نہیں

رہائی ہو بھی قفس سے تو کیا ہے مجھے صیاد
کہ چار تنکے تھے جو وہ بھی آشیاں میں نہیں

تمھیں جھلایا یہاں تک وہ کون تھا آخر؟
یہ کیا کہا کہ اثر نالہ و فغاں میں نہیں

نقاب اُٹھتے ہی دُنیا بدل گئی دل کی
بیان کرنے کی طاقت مری زباں میں نہیں

چمن میں اب مجھے چشمک زنی سے کیا حاصل
قفس میں اب ہوں میں اے برق آشیاں میں نہیں

بتا تو گردشِ تقدیر اب کہاں جاؤں
چھٹا قفس سے تو تنکا بھی آشیاں میں نہیں

تری جفاؤں سے کچھ اور لطف ملتا ہے
جو بات تجھ میں ہے وہ بات آسماں میں نہیں

کھلے تو کیسے کھلے رازِ حسنِ فطرت کا
مرے یقیں میں کیا مرے گماں میں نہیں

جنابِ خضر مبارک تمھیں کو عمرِ دراز
فنا میں ہے جو مزا عمرِ جاوداں میں نہیں

کھلے ہیں داغِ جگر کیسی شان سے اے تاج
بہار ایسی کسی اور گلستاں میں نہیں

ثاقب - جناب ثاقب صاحب بدایونی

بقا بھی عین فنا ہے بقا جہاں میں نہیں
شمارِ عمرِ خضر عمرِ جاوداں میں نہیں

نہیں جو میں تو سہی دل بھی آشیاں میں نہیں
بس ایک قید ہے صیاد کے مکاں میں نہیں

کہیں یقیں ہے مگر وہم میں گماں میں نہیں
مکان ہے کوئی دُنیائے لامکاں میں نہیں

وہ تشنہ کامِ ازل ہوں مرے نصیب کا جام
تمہارے دور میں کیا دورِ آسماں میں نہیں

تعیّناتِ جہاں کا وجود بے معنی
نگاہ ہو تو نظر آئے صاف ہاں میں نہیں

نظر میں برق کی یا رب کھٹک ہے یہ کیوں
دبا چھپا کوئی تنکا تو آشیاں میں نہیں

حرم ہے شیخِ حرم آئے سر کے بل معلوم
نشانِ سجدہ کہیں کوچۂ بتاں میں نہیں

جو چور دامنِ زخمِ جگر میں پنہاں ہے
تری نظر میں نہیں چشمِ پاسباں میں نہیں

یہ عہدِ وصل ہے ہاں ہاں غلط ہے اے قاصد
ترے یقین میں ہاں ہو مرے گماں میں نہیں

مٹا جو دل تو ہوئی دل کی آرزو آزاد
کہیں کی قید بھی اُجڑے ہوئے مکاں میں نہیں

وہ ہم کہ ہم ہیں مرقع تمہاری صورت کا
یہ میں کہ میرا نشاں بھی کسی نشاں میں نہیں

ہمارے عشق کی دُنیا ہے اور دُنیا میں
جہانِ دل ہے جہاں میں مگر جہاں میں نہیں

بہارِ گلشنِ اُمید کا اُجڑنا دیکھ
چمن! یہ تیری دورِ خزاں خزاں میں نہیں

نگاہِ مست تری ہے کلیدِ قفلِ الست
یہ مال پیرِ خرابات کی دکاں میں نہیں

یہ طولِ شامِ شبِ غم کہ اے معاذ اللہ
گمانِ صبحِ قیامت مرے گماں میں نہیں

شکستِ خاطرِ احباب جرم ہے ورنہ
مآلِ نظم مری سعیِ رائیگاں میں نہیں

مذاقِ شعر ضعیفی میں حضرتِ ثاقب
بہارِ نغمۂ بلبل۔ مگر خزاں میں نہیں

حامد۔ جناب حامد سعید خاں صاحب حامد بھوپالی

دلِ حزیں میں نہیں، جانِ ناتواں میں نہیں
سکوں کا ذکر محبت کی داستاں میں نہیں

میں نہیں، تو مزہ بزمِ دلستاں میں نہیں
وہ رنگ حسن میں وہ شورشیں فغاں میں نہیں

مئے نشاط کی وہ کیف باریاں نہ سہی
مگر بہار کی رسوائیاں خزاں میں نہیں

نواز لو کہ یہ ہے آخری نگاہِ شوق
اب اس کے بعد یہ ہمت بھی ناتواں میں نہیں

تمھارے در سے اُٹھائے ہوئے پناہیں لیں
ستم ہے اتنی بھی گنجائشیں جہاں میں نہیں

عطائے غم میں مساوات کیوں نہیں یا رب
یہ کیوں بہار کی دیوانگی خزاں میں نہیں

کہاں کا حسنِ تاثر کہ ہم غریبوں کی
دعا دعا میں نہیں ہے فغاں فغاں میں نہیں

سنبھالتی ہے ہر اک حملۂ محبت کو
وہ ایک روح جواب قلبِ ناتواں میں نہیں

شباب اور تجلی کی سازشیں! توبہ
وہ کون سی ہے قیامت جو داستاں میں نہیں

جہانِ عشق و محبت میں کچھ نہیں حامد
دلِ خراب اگر چشمِ خوں چکاں میں نہیں

دولھا۔ جناب علی احمد اللہ صاحب عرف دولھا میاں ایولی

مئے نشاط و طرب ساقیا جہاں میں نہیں
مزے کا دور کوئی دورِ آسماں میں نہیں

وہ کون چیز ہے جو گلشنِ جہاں میں نہیں
جہاں میں ہے مگر پھر بھی وہ جہاں میں نہیں

ترے خیال کو بھی اب خیالِ جور ہوا　　ہوئی وہ بات جو اب تک مرے گماں میں نہیں
بجائے پھول وہ تیوری چڑھائیں تربت پر　　مرے نصیب کا گُل کوئی گلستاں میں نہیں
غلط کہ تیغ ہی قاتل، ادا ہی قاتل ہے　　جو آنکھ میں ہے صفت تیغِ اصفہاں میں نہیں
ہوئی اسیرِ قفس کس طرح سے جسم میں روح　　جو لطف سیرِ چمن دل کے آشیاں میں نہیں
گماں سراب کا ہوتا ہے آبِ دریا پر　　کہ ایک قطرۂ خوں چشمِ خوں چکاں میں نہیں
مجھے یہ ضد ہے ملائیں وہ دل سے دل میرے　　انھیں یہ ہٹ ہے ملائینگے ہم تو ہاں میں نہیں
فنا ہی چیز ہے اس میں ہی لطفِ ہستی ہے　　کہ خضر کو بھی بقا عمرِ جاوداں میں نہیں
تمام قصۂ پارینہ ختم شد دولہا　　کوئی مزا گل و بلبل کی داستاں میں نہیں

ذرّہ ۔ جناب امجد علی صاحب محرر مسٹر ای وی ڈیوڈ بیرسٹر عدالت کانپور

تو اس زمیں میں نہیں ہے تو آسماں میں نہیں　　قیام تیرا بجز دل کسی مکاں میں نہیں
یہ کون کہتا ہے جلوہ ترا جہاں میں نہیں　　ہمارے دل میں نہیں تو کہ لامکاں میں نہیں
فنا کی منزلیں طے کر رہا ہوں ہستی میں　　جہان میں بھی ہوں لیکن کسی جہاں میں نہیں
چھڑک کے مانگ پہ افشاں وہ مہ جبیں بولا　　چمک وہ تک فلک تیری کہکشاں میں نہیں
کسی کے جلوے سے رہتا ہے یہ سدا آباد　　مکان دل میں ہے جو کچھ وہ لامکاں میں نہیں
رہیں جہان میں بے خوف آشیاں والے　　کہ تھی جو لاگ وہ اب اپنے آشیاں میں نہیں
ہمارا داغِ جگر دیکھ کر وہ کہتے ہیں　　کہ ایک پھول کوئی ایسا گلستاں میں نہیں
پسند کرتے نہیں دل سے اہلِ ہند اسے　　سنا ہے کہتے ہیں اردو زباں یہاں میں نہیں
سوالِ وصل پہ بت بن گئے وہ شانِ خدا　　خموش ایسے ہیں گویا زباں دہاں میں نہیں
مریضِ غم کا وہ چہرہ دکھا کے کہتے ہیں　　کہ زردی ایسی کسی کشتِ زعفراں میں نہیں
کہاں یہ بیٹھ گئے ہم سے ذرّہ گلچیں　　کہ چار تنکے بھی اب اپنے آشیاں میں نہیں

عجیب ادائے سخن ہے تمھارے وعدے کی
چھپی ہوئی ہے مری جان تمھاری ہاں میں نہیں

ہے روشنی یہ دلوں میں تری سکونت سے
نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکاں میں نہیں

ہے سوز و ساز کے عنواں سے یک قلم مرقوم
وہ کون رنگ ہے جو میری داستاں میں نہیں

زمیں سے کہتا ہے جھک جھک کے چرخ پیر ہنوز
کہ ٹھاٹھ تیرے سے ذرّہ کبھی جہاں میں نہیں

راز - جناب قدرت احمد صاحب ازمتعلم میٹرک کلاس

ترا جواب مری جان و جہان میں نہیں
یہ حسن وہ ہے کہ کنعاں کے نوجواں میں نہیں

ٹپک کے آنکھ سے کچھ اشک ہی کریں اظہار
بیانِ حال کی طاقت مری زباں میں نہیں

نہ ہو جو دل میں محبت تو بے چراغ ہے گھر
نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکان میں نہیں

سبھی چلو کہ ذرا دیکھ لیں علی گڑھ بھی
سنا ہے آج جواب اس کا اس جہاں میں نہیں

خدا کے فضل سے ہے رنگ پر ترا ہر گل
سدا بہار ہے کھٹکا تجھے خزاں میں نہیں

وہ کون گل ہے جو یاں خندہ زن نہیں ہوتا
وہ کون طوطی ہے گویا جو بوستاں میں نہیں

اگر کوئی ترے اسٹیج پر کرے تقریر
کسی مقام پہ جھجکے گا وہ جہاں میں نہیں

خلوص، مہر و محبت، صداقت و ہمت
وہ کون وصف ہے جو تیرے مہرباں میں نہیں

چمن کی سیر جو کی بلبلوں کو کہتے سنا
یہ وہ بہار ہے جو اور گلستاں میں نہیں

خدا رکھے یہ علی گڑھ وہ آدمی گر ہے
جو یہ نہ ہو تو پھر اے راز ہم جہاں میں نہیں

لسان الملک حضرت ریاض خیرآبادی

کہا جو میں نے چھپی ہے کسی کی ہاں میں نہیں
وہ بولے جھوٹ رہے وہم میں گماں میں نہیں

سنے تھے نغمۂ ناقوس دیر میں ہم نے
اثر فریب یہ رنگینیاں اذاں میں نہیں

خدا ہی ہے جو ملیں مجھکو قافلے والے
میں گم شدہ ہوں جرس میرے کارواں میں نہیں

قفس کو چھوڑ کے سوئے چمن نہ جائے برق — کہ چار تنکے ہیں کچھ اور آشیاں میں نہیں
سمائے کیوں نہ تری آنکھ میری آنکھوں میں — جو اس میں ہے مئے ساقی کسی کے پیالے میں نہیں

زینؔ - جناب زین الدین صاحب گرمانی متعلم درجہ دہم انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جو لطف جور میں ہے لطفِ بیکراں میں نہیں — مزہ نہیں ہے جو ہے وہ تمھاری ہاں میں نہیں
چمن میں یوں تو کھلے ہیں ہزاروں پھول مگر — تلاش جس کی ہے وہ پھول بوستاں میں نہیں
وہ پوچھتے ہیں دمِ نزع حالِ بے تابی — بیان حال کہ تابِ سخن زباں میں نہیں
ترے شہیدوں کو ملتی ہے مر کے عمرِ ابد — مزہ حیات کا کچھ عمرِ جاوداں میں نہیں
زباں سے ہاں بھی نکلتی ہے تو نہیں بن کر — سما گئی ہے کچھ ایسی تری زباں میں نہیں
یہ کیا کہا کہ ترے دل میں کون رہتا ہے — جو تم نہیں ہو تو پھر کوئی اس مکاں میں نہیں
تمام عمر رہے ذینؔ دل میں وہ لیکن — ہنوز رنگِ وفا چشمِ میہماں میں نہیں

ساغرؔ - جناب صمد یار خاں صاحب رسمالی، علی گڑھ

وہ زندگی کے مزے اب کے گلستاں میں نہیں — کوئی بہار سے کہدے ہم آشیاں میں نہیں
بجا کہ لطفِ بیاں میری داستاں میں نہیں — زبانِ عشق میں ہے حسن کی زباں میں نہیں
ضیائے حسن کہاں تیرہ خاکداں میں نہیں — جو ہیں زمیں میں ستارے وہ آسماں میں نہیں
کبھی وہ دن تھے کہ ہر سانس تھا سرورِ نشاط — اب ایک نغمہ کی قوت ربابِ جاں میں نہیں
رہا نہیں ہے ترا ہمت آزما ہونا — کہ تابِ ضبط مری جانِ ناتواں میں نہیں
سکوتِ صبح اسیری ارے معاذ اللہ — کہ ایک پھول بھی بیدار گلستاں میں نہیں
یہ افتخار، یہ رفعت، یہ رقصِ شام و سحر — کوئی زمین بھی شاید اس آسماں میں نہیں
پتا ہی منزلِ مقصود کا نہیں ملتا — چھپی ہوئی تو کہیں گردِ کارواں میں نہیں

گزر چکا ہے دو عالم سے میرا عالمِ عشق
میں جس جہان میں ہوں وہ کسی جہاں میں نہیں

ہدف بنا کے مجھے خود شکست کھا بیٹھا
اب ایک تیر بنا عشق کی کماں میں نہیں

میں کیا بتاؤں وفا کا مآل کیا ہوگا
وہ تیرے علم میں ہے جو مری گماں میں نہیں

شراب کے لیئے اک جام کی ضرورت تھی
وگرنہ اور کوئی ربط جسم و جاں میں نہیں

یہ کہہ دو برق سے تکلیف آشیاں نہ کرے
بہار باغ میں ہے میرے آشیاں میں نہیں

جو سوچتا ہوں وہی تجھ سے کہہ نہیں سکتا
مرے خیال کی قوت مری زباں میں نہیں

وہ میرا حاصلِ سجدہ کہاں گیا یارب!
کہیں بھی نقشِ جبیں اُن کے آستاں میں نہیں

وہ ذکرِ عیش جسے جانِ داستاں کہئے
ستم یہ ہے کہ ہماری ہی داستاں میں نہیں

ہے رنگ و بُو کے حجابوں سے بے نیاز نظر
وہ پھول دیکھ رہا ہوں جو گلستاں میں نہیں

بدل گئی ہیں فغاں میں جرس کی آوازیں
کوئی خرابِ محبت تو کارواں میں نہیں

مذاقِ دہر ہے لب تشنۂ سکوں ساغر
گر شرابِ سکوں ساغرِ جہاں میں نہیں

ساقی۔ جناب محمد ابراہیم صاحب متعلّم سکنڈ ایر کلاس مسلم یونیورسٹی انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ

تو رشکِ حور ہے ثانی ترا جہاں میں نہیں
ارم میں، خلد میں، فردوس میں، جناں میں نہیں

اسیرِ زلف ہوا جب سے نام کو تاثیر
بُکا میں، آہ میں، فریاد میں، فغاں میں نہیں

ضیا جو ہے مرے دلبر کے روئے تاباں میں
قمر میں، شمس میں، زہرہ میں، کہکشاں میں نہیں

ہمارے غم کی کہانی میں درد ہے جتنا
کسی بیان میں، قصّے میں، داستاں میں نہیں

ہزار حیف کہ سایہ بھی اُس پری رُو کا
نظر میں، دھیان میں، اندیشے میں گماں میں نہیں

وہ کورِ چشم ہیں جو کہہ رہے ہیں نور اُس کا
زمیں میں، عرش میں، کرسی میں لامکاں میں نہیں

جو کاٹ ہے تری تیغِ ادا میں اے ظالم
چھری میں، تیر میں، تلوار میں، سناں میں نہیں

چلی جو بادِ خزاں آہ اب دل آویزی
شجر میں، شاخ میں، غنچوں میں، بوستاں میں نہیں

یہ رعبِ حسن ہے اُس کا کہ ہلنے کی طاقت — زباں میں ہونٹھ میں گفتار میں وہ ہاں میں نہیں
کہیں وہ لاکھ صداقت کا رنگ اے ساقی — قسم میں قول میں اقرار میں نہ ہاں میں نہیں

سیماب - جناب مولوی عاشق حسین صاحب اکبرآبادی

شکستہ پا ہوں شریک اپنے کارواں میں نہیں — مرے نصیب کی گردش بھی آسماں میں نہیں
یہی تو قوتِ تحقیق باغباں میں نہیں — کہاں گئیں وہ بہاریں جو بوستاں میں نہیں
حواس جمع نہیں ربطِ جسم و جاں میں نہیں — جو چاہتا ہوں وہ ترتیب کارواں میں نہیں
بقا فنا سے بدل کر بھی کچھ زیاں میں نہیں — وہ اُس جہاں میں ہے باقی جو اس جہاں میں نہیں
ہر ایک دل کو ہے دشوار معرفت میری — وہ راز ہوں جو ابھی ذہنِ رازداں میں نہیں
محیطِ غلبۂ وحدت ہے فطرۃً انساں — سمجھ رہا ہے کہ مجھ سا کوئی جہاں میں نہیں
اُچھالے دیتی ہے غمازئ نگاہ مجھے — میں راز ہوں کہ کبھی قابوئے رازداں میں نہیں
قفس کی قید سے چھوٹے بڑے زمانے میں — ہمارے وقت کا تنکا بھی آشیاں میں نہیں
درائے صبح کی آواز ہے نہ بانگِ جرس — خیال یہ ہے کہ میں اپنے کارواں میں نہیں
کئی طرح سے ہیں اک لفظِ کُن کی تعبیریں — کچھ ایسا راز مری مرگِ ناگہاں میں نہیں
تعلقات کا رونا ہے یاد کی فریاد — یہ جانتا ہوں کہ میں ذہنِ نوحہ خواں میں نہیں
وہاں ثبوتِ محبت کا دینے آیا ہوں — جہاں شریک فرشتے بھی امتحاں میں نہیں
خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں غربت میں — کہ میرے پاؤں میں کانٹے بھی زیاں میں نہیں
میں چاہتا ہوں کہ منزل ہی منھ سے بول اُٹھے — قضا شناس کوئی میرے کارواں میں نہیں
جہانِ عشق کی مٹی خراب ہے سیماب — زمین تنگ ہے گنجائش آسماں میں نہیں

شبیر۔ جناب صاحبزادہ محمد شبیر علی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ خلف اصغر جناب نواب کلب علی خاں صاحب مرحوم سابق والیٔ ریاست رامپور

لگاؤ بعدِ فنا کچھ بھی جسم و جاں میں نہیں | مکاں مکیں سے ہے خالی مکیں مکاں میں نہیں

نصیب چین مجھے گردشِ جہاں میں نہیں | یہ دور میرے لئے دورِ آسماں میں نہیں

شباب میں مجھے پامال آسماں نے کیا | جو دیکھی پیری میں طاقت وہ مجھ جواں میں نہیں

دل و جگر تو جلے چل گئی گلے پہ چھری | شریک کوئی محبت کے امتحاں میں نہیں

ازل سے لکھی ہے بیگانگی مقدر میں | عزیز اہلِ جہاں میں ہوا جہاں میں نہیں

کیا ہے ضعفِ تپِ عشق نے مجھے خاموش | زبان منہ میں ہے طاقت مگر زباں میں نہیں

جو سنتا ہے مرا قصہ وہ سن کے روتا ہے | کہیں بیانِ خوشی میری داستاں میں نہیں

ہوئی فلک کو نہ جنبش نہ دل ہلا اس کا | فغاں زباں پہ ہے لیکن اثر فغاں میں نہیں

مری بلا سے گرے برق یا چلے آندھی | غمِ آشیاں کا ہو کیا میں جب آشیاں میں نہیں

اس احتیاط سے کی ہے وہاں جبیں سائی | کہ میرا نقشِ جبیں سنگِ آستاں میں نہیں

کلامِ داغ میں شبیر جو مزا پایا | وہ لطف دیکھتے اب ہم کسی زباں میں نہیں

شور۔ جناب منظور حسین صاحب متعلم انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ترے جو تیر میں ہے مرگِ ناگہاں میں نہیں | تری ادا میں جو ہے طبع آسماں میں نہیں

نشانِ مہر و وفا اب کہیں جہاں میں نہیں | کہ اب تو صاف ہی آنکھی ہر اک ہاں میں نہیں

ہزار ظلم سہے پر زباں سے آہ نہ کی | ہے یوں زبان کہ گویا مرے دہاں میں نہیں

مرے جگر میں ہیں پیوست اس کے اتنے تیر | کہ ایک تیر بھی اب پہلوئے کماں میں نہیں

ادا پہ اپنے بھروسہ ہے کس قدر ان کو | شکار کھیلتے ہیں تیر اک کماں میں نہیں

نہ دل میں اب وہ امنگیں نہ ولولے باقی — وہ کیف موسمِ گل موسمِ خزاں میں نہیں
خوشی سے پاؤں میں اب بیڑیاں پہن لینگے — کہ اب وہ جوشِ جنوں موسمِ خزاں میں نہیں
یہ سچ ہے آہ سے دل کی ہے ساری آبادی — نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکاں میں نہیں
فراقِ یار میں کیونکر کہوں غزل اے شوؔر — سوائے حسرت و غم کچھ مرے بیاں میں نہیں

صفؔدر جناب صفدر صاحب مرزاپوری

ملے جو ٹوٹ کے ہم سے کوئی جہاں میں نہیں — اس آسماں کے سوا دور آسماں میں نہیں
ذرا بھی دم ترے بیمارِ ناتواں میں نہیں — مکاں میں یوں ہے کہ جیسے کوئی مکاں میں نہیں
چمک کے داغِ جنوں نے بڑا اثر ڈالا — ہماری یاد بھی اب بزمِ مہوشاں میں نہیں
وہ چھیڑ چھیڑ کے پوچھیں نہ دل کے درد کا حال — کہوں زباں سے یہ طاقت مری زباں میں نہیں
غریب و بیکس و بے یار و آشنا ہیں ہم — ہمارا پوچھنے والا کوئی جہاں میں نہیں
چمن میں کس کے لئے بجلیاں تڑپتی ہیں — گل آشیاں میں نہیں شاخ آشیاں میں نہیں
تمہارے در سے اٹھاتے ہیں کیوں ہمیں درباں — کچھ ایسے لعل لگے سنگِ آستاں میں نہیں
مٹے ہیں نقشِ قدم سے ترے بہشت کے پھول — تری گلی میں ہے جو رنگ وہ جناں میں نہیں
کسی کے ٹوٹے ہوئے پر گرہ ہے بجلی — چراغ خانۂ صیاد و آشیاں میں نہیں
تلے ہیں وہ نگہِ ناز سے بنائیں ہدف — چڑھی کمان ہے ناوک مگر کماں میں نہیں
جگر نے جی جو چرایا تو دل پکار اٹھا — شریکِ حال مرا کوئی امتحاں میں نہیں
جو گل ہیں دامنِ گلچیں میں دام میں بلبل — کوئی بھی چین سے اس گلشنِ جہاں میں نہیں
ہم سر بکف ہیں وہ خنجر بکف ہیں مقتل میں — اجل سے کہہ دو کہ اب میرا امتحاں میں نہیں
نظر نہ کی مرے حالِ تباہ پر اس نے — یہ کہہ دیا کہ اثر کچھ تری فغاں میں نہیں
مثل ہے ایک زمانے سے سنتے آئے ہیں — نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکاں میں نہیں

یہ لطف پوچھئے کچھ آپ مرنے والوں سے — جنابِ خضر مزا عمرِ جاوداں میں نہیں
سنا کہ قصۂ صفقد ہے درد سے خالی — مزے کی چیز ہی تھی جو داستاں میں نہیں

ظاہر۔ جناب ظہور الحسین صاحب متعلّم انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

جو گل نہ ہو تو کوئی لطف بوستاں میں نہیں — نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکاں میں نہیں
سناؤں کیا تمھیں افسانۂ محن اپنا — ہجوم یاس ہے غم ہے کوئی مکاں میں نہیں
جلایا خرمنِ دل برقِ شعلہ افگن نے — یہاں تو ایک بھی تنکا اب آشیاں میں نہیں
رلا کے خون کیا راز میرا یوں افشا — ذرا حجاب مری چشمِ خوں چکاں میں نہیں
نہ پوچھ ظاہرِ حسرت زدہ کی بربادی — نشانِ قبر بھی باقی کہیں جہاں میں نہیں

عبید۔ جناب عبید الرحمن صاحب متعلّم انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

پناہ اہلِ وفا کو ذرا جہاں میں نہیں — جھلک خوشی کی کہیں دورِ آسماں میں نہیں
عجیب بادِ مخالف نے زور باندھا ہے — شگفتہ ایک بھی گل گلشنِ جہاں میں نہیں
الٰہی چین سے کیا بیٹھنے کی صورت ہو — کھڑے بھی رہنے کی جا دورِ آسماں میں نہیں
کہاں ہیں پھول کہاں آشیاں ہو بلبل کا — تمیز اتنی بھی افسوس باغباں میں نہیں
کھنچے ہی رہتے ہیں ہر وقت ابروئے قاتل — ذرا سا خم بھی تو کمبخت اس کماں میں نہیں
بہارِ عمر لٹائے کوئی کہاں کس پر — گلِ وفا کوئی اس گلشنِ جہاں میں نہیں
ہیں اور وہ بھی سرِ حشر اور تمھارا گلہ — وہ بات کہتے ہو جو وہم میں گماں میں نہیں
ہر اک سے کہتے ہیں جاؤ خبر تو لاؤ ذرا — عبید صبح سے کیا بات ہے مکاں میں نہیں

عطاؔ: جناب حاجی عطا محمد صاحب بدایونی وکیل تلہر (نعتیہ)

بہارِ گلشنِ طیبہ کی لامکاں میں نہیں — فضا زمین کی تقدیرِ آسماں میں نہیں

درِ رسول سے خالی نہیں پھرا سائل — گدا نواز کوئی ایسا دو جہاں میں نہیں

عیاں ہے صورتِ سائل سے مقصدِ سائل — نہ ہو بیان کی طاقت اگر زباں میں نہیں

خدا کریم ہے اس کے کرم سے عفوِ گنہ — مرے یقین میں ہے شیخ کے گماں میں نہیں

قیامِ وحشیِ طیبہ کی کون صورت ہے — الٰہی جیب ر و دیوانہ تک جناں میں نہیں

اذانِ بلال کی ہوتی نہ کیسے عرش نشیں — وہ حق پسند ادا اور کی زباں میں نہیں

غمِ فراق سے مہجورِ مصطفےٰ خوش ہیں — بلا سے ان کی اثر نالہ و فغاں میں نہیں

کہاں نہیں تری فرقت کا نور جلوہ فگن — نشانِ راز نہیں یا صورتِ عیاں میں نہیں

حرم میں، دیر و کلیسا میں، کعبۂ دل میں — کہاں نہیں تری تنویر کس مکاں میں نہیں

نبی کا عشق نہیں گر تو کچھ نہیں دل میں — نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکاں میں نہیں

نبی کے ابرِ کرم نے وہ پاک صاف کیا
عطاؔ کا نام بھی اب فردِ عاصیاں میں نہیں

جناب علی شروالی

حدیثِ درد کہیں تیری داستاں میں نہیں — مریض کوئی بھی تجھسا مگر جہاں میں نہیں

ثباتِ عزم تری سعی رائیگاں میں نہیں — ازل سے حصہ ترا گنجِ شائگاں میں نہیں

چمن کی فطرتِ صادق کا انقلاب تو دیکھ — کہ راستی کی صفت سروِ نوجواں میں نہیں

وہ کعبہ جس کی زیارت کو جا رہا ہے تو — جو تیرے دل میں نہیں ہے تو پھر جہاں میں نہیں

خراب کوہ و بیاباں ہے محملِ لیلےٰ — مہارِ ناقہ کفِ دستِ ساربان میں نہیں

جرس نے دشت و جبل سر پہ کیوں اٹھائے ہیں — نشانِ زندہ و بیدار کارواں میں نہیں

حقیر ذرّہ کہ بیگانہ آفتاب سے ہے — زمیں خراب کہ پہلوئے آسماں میں نہیں

چمن اداس ہے گو پھول کھلکھلاتے ہیں — وہ چیز کیا ہے الٰہی جو بوستاں میں نہیں

مکین منزلِ دل سے کہو کہ جانِ جہاں — قیام غیر مناسب ترے مکاں میں نہیں

یقیں ہوا جو مسیحا کی آمد آمد کا — تو پھر کلام مری مرگِ ناگہاں میں نہیں

یہ کس کے لفظ ہیں اے قاصدِ خجستہ مقال — ترے بیاں کی لطافت ترے بیاں میں نہیں

امیدِ مردۂ عاشق کو زندہ کرنے کا — نہیں نہیں میں جو اعجاز ہے وہ ہاں میں نہیں

خطا شعار فرشتوں سے بڑھ گیا لیکن — فرشتہ حضرتِ آدم کے خانداں میں نہیں

ہزار حیف کہ طالب ہے اے علی کہہ دیں
تو کامیاب سوالاتِ امتحاں میں نہیں

جناب غضنفر امروہوی

بجز فریبِ نظر خاک اس جہاں میں نہیں — طلسم رنگ ہے کچھ اور گلستاں میں نہیں

جبینِ شوق میں دنیا بسی ہے سجدوں کی — سمائی اتنی ترے سنگِ آستاں میں نہیں

تمام بزمِ تصور میں ان کا جلوہ ہے — جو روشنی ہے تخیل میں وہ جہاں میں نہیں

شرابِ عیش کے مدہوش یہ سمجھتے ہیں — کہ انقلاب اب اس دورِ آسماں میں نہیں

کہاں کو قافلۂ اشک آج جاتا ہے — نہ رو رہا ہو کوئی ایسا کارواں میں نہیں

میں کیا حقائقِ الفت پہ روشنی ڈالوں — کہ شمع عکسِ رخِ یار شمعداں میں نہیں

(قطعہ)

بیان برقِ تجلی ہے جان قصۂ طور — جو ذکرِ حسن نہ ہو حسن کچھ بیاں میں نہیں

بیانِ طور میں لازم ہے ذکرِ سوزِ کلیم — بغیر عشق کے گرمی ہی داستاں میں نہیں

تمہیں یہ سخت کلامی کہاں سے آئی ہے — کہ استخواں تو کہیں نام کو زباں میں نہیں

اتاروں جامۂ ہستی غضنفر اب میں بھی
کہ تارِ صبح کا دامانِ آسماں میں نہیں

فاضل ۔ جناب میر محمد حسین تمان صاحب موسوی ناظم عدالت گندھاری صلع نظام حیدر آباد دکن

قرار وعدہ میں بندش تری زباں میں نہیں ۔۔۔ تری نہیں میں ہی جو لطف تیری ہاں میں نہیں

جواب دیتے کی جو اُن کے پاسباں میں نہیں ۔۔۔ یہ جب کہا تو کہا کوئی اس مکاں میں نہیں

وہ کیا کریں نہ پسیجے جو میرے حال پہ دل ۔۔۔ میں کیا کروں کہ اثر نالہ و فغاں میں نہیں

تھی آج وعدہ کی شب آتے ہیں گماں کیا کیا ۔۔۔ وہ جانِ جاں ہی کہاں؟ جان میری جاں میں نہیں

پکار بھی لو جسے چاہو خوب دیکھ بھی لو ۔۔۔ بجز مرے کوئی میدانِ امتحاں میں نہیں

تجھی سے چھپنے لگے ہیں کہ لگ نہ جائے نظر ۔۔۔ وہ جانتے ہیں تصنع مرے بیاں میں نہیں

جو میری حسرت دل ہی وہ رخ سے ظاہر ہی ۔۔۔ زیادہ عرض کی طاقت مری زباں میں نہیں

ہی شک کی حد کہ وہ کہتے ہیں سنکے حالِ فراق ۔۔۔ چھپا ہوا تو کوئی گوشۂ بیاں میں نہیں

مشاعرہ کی علی گڑھ کے فکر کیا فاضل ۔
ہمارا نام ہی فہرست امتحاں میں نہیں

فدا ۔ جناب مولوی سید عبد الوحید صاحب نیازی گلاوٹھی

گلِ نمود کسی شاخِ گل فشاں میں نہیں ۔۔۔ یہی چمن ہی جو ترتیبِ باغباں میں نہیں

مرے یقین میں یا وہ مرے گماں میں نہیں ۔۔۔ ترا جمال دل افروز کس مکاں میں نہیں

تلاشِ ہستی آوارہ اے خدا حافظ ۔۔۔ کہیں ٹھکانا ترا عمرِ رائگاں میں نہیں

وہی بچے کہیں یارب رہے اسی کی خیر ۔۔۔ وہ میرا درد جو پاپائی فغاں میں نہیں

جنابِ دل کو مبارک ہو وسعتِ فریاد ۔۔۔ فغاں جرس کی بھی محدود کارواں میں نہیں

چڑھائے تربتِ بلبل پہ کیا ہوائے چمن ۔۔۔ کہ ایک پھول کسی شاخِ گل فشاں میں نہیں

نیا اٹھے کوئی پردہ بہارِ گلشن کا ۔۔۔ یہ سبز باغ تو کچھ شرحِ داستاں میں نہیں

مرے گلے میں رگیں پھول کی نہیں صیاد ۔۔۔ نہ ڈھونڈ اس میں وہ تنکے جو آشیاں میں نہیں

تجلیات کو اسے خلوتی نہ کر محدود — وہ ہر مکاں میں ہے کون سے مکاں میں نہیں
بہارِ باغ کو بلبل جواب کیا دے گی — کہ شاخِ گل کی امانت بھی آشیاں میں نہیں

فدا ہے خاک زلیخا کے حال پر افسوس
ہوائے دامنِ یوسف بھی کارواں میں نہیں

قمر ۔ جناب منشی محمد قمر الحسن صاحب بدایونی

خوشی قفس میں نہیں چین آشیاں میں نہیں — ہمارے نام کی راحت اب اس جہاں میں نہیں
کچھ اور اس کے سوا عذرِ امتحاں میں نہیں — کہ ضبطِ آہ کا دم تیرے ناتواں میں نہیں
ہمارے نام کی دنیا ہے رنج کی دنیا — خوشی کا دخل ہو جس میں ہم اس جہاں میں نہیں
وہ آج کہتے ہیں مر جاؤ گے تو کیا ہوگا — یہ امتحاں بھی اب اللہ امتحاں میں نہیں
ہمارے دل کو اب اے یاس تو ہی سمجھا دے — فغاں سے فائدہ کیا جب اثر فغاں میں نہیں
نکل کے دل سے یہ بیتابیاں کہاں جائیں — سکت زمیں میں نہیں ظرف آسماں میں نہیں
مآلِ کار ہو پیشِ نظر تو اے بلبل! — بہار میں وہ مصیبت ہے جو خزاں میں نہیں
ہزار بار سنو یا ہزار بار پڑھو — خوشی کا ذکر محبت کی داستاں میں نہیں
وہ دل میں ہے، وہ نظر میں ہے، وہ خیال میں ہے — وہ کس جگہ نہیں ملتے وہ کس مکاں میں نہیں
لو اب کہو کہ تمھیں ہم سے کیا شکایت ہے — کہ ہم ہیں تم ہو کوئی اور درمیاں میں نہیں
نظر بھی ہم سے ملاؤ جو بل ہے ابرو پر — کماں یہ کیا ہے اگر تیر اس کماں میں نہیں
رہے نہ جان تو ممکن ہے چین آ جائے — ابھی تو کوئی کمی دردِ جانستاں میں نہیں

بغیر اُن کے دلِ زار کی یہ حالت ہے
کہ جیسے جانِ قمر جسمِ ناتواں میں نہیں

٭

ماجد ۔ جناب حکیم ماجد علی صاحب آنولی متعلم انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جو لامکاں کے مکیں ہیں وہ کس مکاں میں نہیں ۔۔۔ زمین پر وہ نہیں ہیں کہ آسماں میں نہیں
بس ایک وعدہ کا ایفا نہ ہو سکا اب تک ۔۔۔ وگرنہ کون سی خو تم سے مہرباں میں نہیں
جو جانے روح نکل کیوں نہ جسم ہووے کا ۔۔۔ نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکاں میں نہیں
وہ آئے ہیں جو عیادت کو سن لیا ہوگا ۔۔۔ کہ باقی جان بھی اب جسم ناتواں میں نہیں
نہاں ہے اس میں چمن کی بہار کا آغاز ۔۔۔ اگرچہ لطف بظاہر کوئی خزاں میں نہیں
کسی پہ مرکے بھی دیکھو تو حضرت واعظ ۔۔۔ جو لطف مرنے میں ہی عمر جاوداں میں نہیں
یہاں تو عمر کٹی تنکے چنتے چنتے مگر ۔۔۔ جو دیکھا برق کے ہاتھوں کچھ آشیاں میں نہیں

شب فراق کی وہ داستان ہے ماجد
کہ جس کی تاب تکلم مری زباں میں نہیں

محمود : جناب محمود احمد صاحب متعلم مسلم یونیورسٹی

بقول تیرے اثر نالہ و فغاں میں نہیں ۔۔۔ گزار نیند کا کیوں چشم پاسباں میں نہیں
ہمارا رونق محفل جو اس مکاں میں نہیں ۔۔۔ ہجوم آج پتنگوں کا شمع داں میں نہیں
ثبوت قتل نہ ان پر ہوا سر محشر ۔۔۔ کہ دھبہ خون کا شمشیر و زباں میں نہیں
ہوئے ہیں پھول گلستاں میں آج بلبل کے ۔۔۔ عبث یہ دشتۂ گلدستۂ باغباں میں نہیں
شکار کے لئے جنگل میں کس لئے جاؤ ۔۔۔ ہدف بنانے کو اب زاغ کیا کماں میں نہیں
کہیں کہیں تو برائی بھی حسن ہوتی ہے ۔۔۔ کماں ہی وہ نہیں خم اگر کماں میں نہیں

بتوں کے واسطے محمود کرلو بار بری
حصول خاک اب ایم اے کے امتحاں میں نہیں

❖

ناصرؔ - جناب مسعود ناصر صاحب قریشی متعلم سکنڈ ایر کلاس انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

گداز و سوز ذرا بھی مرے بیاں میں نہیں
زبانِ عجز میں ہے لذت مری زباں میں نہیں

اثر کا نام بھی آہِ شرر فشاں میں نہیں
علاوہ سوز کے کچھ ساز داستاں میں نہیں

نگاہیں اٹھتے ہی بے جبینیاں برستی ہیں
بجز فریب کوئی چیز آسماں میں نہیں

نہ پوچھو حال کہ اس وقت ہوش ہے غائب
وہ جلوہ دیکھا ہے میں نے جو اس جہاں میں نہیں

مراد جو رہی ناصر طلسم رنج و محن
خوشی کا دخل کوئی غم کی داستاں میں نہیں

نہالؔ : جناب نہال احمد خاں صاحب ملازم میونسپلٹی علی گڑھ

یہ بیکسی کی فغاں اور اثر فغاں میں نہیں
الٰہی شام سے کیا کوئی بھی جہاں میں نہیں

نہ پوچھیں حسرتِ آخر کو عزیزوں سے
کہ جاں لبوں پہ ہے طاقت مری زباں میں نہیں

قفس سے چھوٹ کے بھی کیسی ہے خانہ بربادی
مرے نصیب سے تنکے بھی گلستاں میں نہیں

یہ چھیڑ دیکھو مٹا کر وہ قبر کہتے ہیں
نشان کیوں رہے تیرا جو تو جہاں میں نہیں

ہمیں نہیں تو ہمیں کیا، گرا کرے بجلی
سمجھ لیا کہ نشیمن ہی گلستاں میں نہیں

غلط ضرور ہرا دعوئے جبیں سائی
اگر نشان ترے سنگ آستاں میں نہیں

وہ دل میں جب سے نہیں دل میں خاک اڑتی ہے
نہ ہو مکین تو رونق کوئی مکاں میں نہیں

تماشا دیکھئے آئینہ ان کے آگے ہے
پھر اس پہ دعویٰ کہ مجھ سا کوئی جہاں میں نہیں

نہالؔ فصل چمن آ گئی تعجب ہے
صدائے بلبلِ ناشاد گلستاں میں نہیں

یاسؔ: جناب مولانا یاس صاحب ٹونکی اُستاد جامعہ ملیہ دہلی

نہ ہو بلا سے جو طاقت مری زباں میں نہیں
نگاہِ یاس تو قاصر کسی بیاں میں نہیں

اُسی کی برقِ نظر کی ہے کارفرمائی
وگرنہ اتنی سکت تو دلِ تپاں میں نہیں

کچھ ایسے لطف سے کرتے ہیں اب ستم گویا
جتاتے ہیں کہ تو ناکام امتحاں میں نہیں

عجیب حسن و محبت کی گفتگو دیکھی
فقط اشارے ہیں الفاظ ہیں زباں میں نہیں

مکینِ دل کی قسم عرش و لامکاں دل ہے
وہ یاں نہیں تو کہیں بھی کسی مکاں میں نہیں

پڑا ہے سرد عجب حسن و عشق کا بازار (ق)
نیاز و ناز کا سودا کہیں جہاں میں نہیں

نہ کوئی بیچنے والا نہ کوئی گاہک ہے
متاعِ دل ہی سرے سے کسی دکاں میں نہیں

زمین پکڑی ہے ایسی تری گلی میں کہ آہ
اُٹھا سکے مجھے یہ طاقت آسماں میں نہیں

مصرع طرح دُوُم

"قضا نے نہ دم بھر سنبھلنے دیا"

اثر: خان صاحب مرزا جعفر علی خان صاحب لکھنوی

غلط دردِ دل نے سنبھلنے دیا — تڑپنے کو پہلو بدلنے دیا
وہ آتے ضرور آتے اے جذبِ دل — کہاں وقت ہم کو اجل نے دیا
تجھے کیا کہوں شوقِ بے دست و پا — کلیجے سے ناوک نکلنے دیا
یہ کیا کم ہے دل لے گے اس شوخ نے — تاسّف سے ہاتھوں کو ملنے دیا
رہا ایک اُف میں بھی اس کو دریغ — یہاں تک جلا مجھکو جلنے دیا
کبھی ضبط سے اور کبھی آہ سے — بہر طور دل کو بہلنے دیا
پھر اس آہِ دل کی سماتی نہیں — جو شورش کے قالب میں ڈھلنے دیا
خدا جانے کیسا تھا یہ اضطراب — کہ دم بھر نہ دل کو سنبھلنے دیا

بہلتے نہ دیکھا جو دل کو اثر
بہلنے کی خاطر مچلنے دیا

بے نظیر: سید بے نظیر شاہ صاحب وارثی

وہ آئے نہ ارماں نکلنے دیا — ذرا بھی نہ مجکو سنبھلنے دیا
مچلتا رہا دل۔ مچلنے دیا — مگر اُن کے در سے نہ ٹلنے دیا
دعا ہے یہ مستوں کی جو آج تک — نہ پچھم سے سورج نکلنے دیا
جدائی کی وہ چوٹ دل پر لگی — کہ جس نے نہ گر کر سنبھلنے دیا
جنوں میں بھی گھر ہی میں بیٹھے رہے — نقاہت نے اُٹھکر نہ چلنے دیا

تپِ غم میں شاکی رہا ضبطِ آہ — کہ پنکھا بھی مجکو نہ جھلنے دیا

یہ میرا جگر تھا ترے درد کو — کلیجے کو آٹھ آٹھ کے ملنے دیا

بس اک وعدہ پورا وہ کرتے رہے — کہ آئی ہوئی کو نہ ٹلنے دیا

نہ روکا کبھی میں نے جوشِ سرشک — برابر یہ چشمہ اُبلنے دیا

یہ کیا کم مراعات کی رشک نے — مجھے اُن کی محفل میں جلنے دیا

دکھاتے رہے سبز باغِ اُمید — اسی طرح کچھ دل بہلنے دیا

خبر لی نہ ویرانیٔ دل کی ہائے — جو ارمان نکلا نکلنے دیا

یہ فرصت بھی تھی باغباں کا کرم — جسے پھولنے اور پھلنے دیا

کریں ضبطِ نالہ ہم اب کیا ضرور — نکلنے دیا تو نکلنے دیا

صراحی تو ڈھالی مگر اس طرح — کہ آنکھوں کا پانی نہ ڈھلنے دیا

فلک نے یہ کی حرمتِ داغِ دل — چراغ اپنی تربت پہ جلنے دیا

جنازہ مرا یہ سبک رو رہا — کسی کو نہ کاندھا بدلنے دیا

رہِ عشق میں ہوں وہ ثابت قدم — جہاں رکھدیا پھر نہ ٹلنے دیا

رفاقت سے کیوں روکتا خضر کو — جہاں تک چلے اُن کو چلنے دیا

نظر اُن کے رُخ پر جمائے رہے — نہ چکنی جگہ پر پھسلنے دیا

وہ جس دل میں تھے ہائے کیونکر اُسے — تغافل نے تلووں سے ملنے دیا

کیا سوزِ دل نے ہی پانی انھیں — اسی لَو سے لوہا پگھلنے دیا

بہت پاؤں توڑے سفر نے مگر — ٹھٹکر وہیں دم نکلنے دیا

ہوا راکھ یہ داغِ دل اس قدر — انگیٹھی میں انگارہ گلنے دیا

ترے تیر نے چشم پوشی یہ کی — کلیجے کو ہاتھوں اُچھلنے دیا

خدایا تری دستگیری ہوا اب — جواب اپنے بازوئے شل نے دیا

محبت کے اعجاز نے بے نظیر — غزل کو مری خوب پھلنے دیا

ولہ (بے نظیر شاہ)

نہ کھلنے دیا۔ دل کو جلنے دیا   دھواں بھی نہ منہ سے نکلنے دیا

مسلتے رہے دل مسلنے دیا   اسی طرح کچھ کام چلنے دیا

ہم اک رنگ پر اپنے قائم رہے   زمانے کو نقشہ بدلنے دیا

خوشی کے رہے منتظر تو مگر   بُرے وقت کو بھلے ٹلنے دیا

فلک کو نہ واپس کیا ہم نے غم   نہ جب تک خوشی سے بدلنے دیا

کیا پاشکستہ جنوں نے مگر   مرا نام دنیا میں چلنے دیا

وہ اپنا ہی ترکش سنبھالا گئے   ہمارا کلیجا دہلنے دیا

ترے سوزِ غم کا یہ کیا کم ہے فیض   کہ سینے کو چھالوں سے پھلنے دیا

مری صبحِ پیری کے گلزار نے   کفن پر نہ کافور ملنے دیا

زمیں پر نہ لوٹے مرے طفلِ اشک   انھیں گود ہی میں مچلنے دیا

ملے جب وہ تیور بدل کر ملے   یہ گنڈا نہ اب تک بدلنے دیا

مجھے شمعِ ہستی بنایا تو کیا   جو محفل میں اُن کی نہ جلنے دیا

ترے کوچے کی یادِ گلگشت نے   چمن میں نہ مجھکو ٹہلنے دیا

سلامت رہیں پینے والے ترے   کوئی خُم نہ اب تک اُبلنے دیا

گرا جب خود اس نے سنبھالا مجھے   اُسی نے نہ مجھکو سنبھلنے دیا

جگر پر جو دیکھا ترا داغِ عشق   جہنم نے مجھکو نہ جلنے دیا

رہِ آمد و شد کا یہ راز تھا   انھیں ان کی مرضی پہ چلنے دیا

یہاں مجھکو لایا تو حکمِ ازل   مقدر نہ اُس نے بدلنے دیا

محبت نے اُن کی مجھے بے نظیر
غلط راستے پر نہ چلنے دیا

ذرّہ : جناب سید امجد علی صاحب محرر سٹرای وی ڈیوڈ بیرسٹر عدالت کان پور

بڑا کام اپنے عمل نے دیا — فسوں گر کا جادو نہ چلنے دیا
نہ پہلو بھی کوئی بدلنے دیا — قضا نے نہ دم بھر سنبھلنے دیا
شب غم نہ آئی نہ روز فراق — بڑا مجھکو دھوکا اجل نے دیا
چلا سر اٹھا کر جو کوئی یہاں — فلک نے نہ اک گام چلنے دیا
مرے دل نے اتنا کیا ضبط غم — نہ آنکھوں سے آنسو نکلنے دیا
پس مرگ بھی یوں ہی میّت رہی — کیا دفن مجھکو نہ جلنے دیا

یہ ذرّہ سے کہتے ہیں سب مہرباں
بڑا لطف تیری غزل نے دیا

زاہد : جناب آفتاب علی صاحب متعلم درجہ نہم انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کہاں زور قسمت نے چلنے دیا — کہاں کوئی ارماں نکلنے دیا
زمانے نے پلٹے کچھ ایسے لئے — قدم دو قدم بھی نہ چلنے دیا
کمر سے تو سفاک کھینچ ہی چکا — نزاکت نے خنجر نہ چلنے دیا
تمھیں منصفی سے کرو فیصلہ — کبھی کوئی ارماں نکلنے دیا
نہ بھولے سے پیر فلک نے کبھی — گھڑی دو گھڑی دل بہلنے دیا
میں مر بھی چکا ہوتا وعدہ شکن — یہ دھوکا تری آج کل نے دیا
دیا چھینٹا کب آب امید کا — جگر سوزِ فرقت نے جلنے دیا

دکھا دیتے ہم تم کو کیا چیز ہیں
وفا نے نہ پہلو بدلنے دیا

عطاؔ: جناب حاجی عطا محمد صاحب ایونی وکیل تلہر (نعتیہ)

ریاضِ تکبر نہ پھلنے دیا — خدا نے یہ جادو نہ چلنے دیا

ترا غم نہ دل سے نکلنے دیا — یہ پلتا رہا ہم نے پلنے دیا

ہوئی بند کب ہجرِ مولا میں آہ — یہ چلتا ہوا کام چلنے دیا

مدینے میں ہم پاشکستہ رہے — ادب نے قدم بھر نہ چلنے دیا

کسی پر تجھے رحم آیا فلک — کبھی کوئی ارماں نکلنے دیا

قیامت میں کام آیا خوفِ گنہ — اسی دن کو غم دل میں پلنے دیا

مدینے میں دل کی ہوا بندھ گئی
عطاؔ سنگِ در پر مچلنے دیا

جناب علی شروانی

مجھے عمر بھر اس نے جلنے دیا — درختِ محبت نہ پھلنے دیا

نہ رکھا ستمگر نے سینہ پہ ہاتھ — مرے دل کو ہاتھوں اچھلنے دیا

عروسِ حیا پہلوئے حسن سے — نہ اٹھی نہ پہلو بدلنے دیا

ارے سنگدل رونے والے پہ کیا — کہ لختِ جگر کو مچلنے دیا

سفر کی پریشانیاں ہائے ہائے — کبھی سوئے منزل نہ چلنے دیا

رہیں رحمتیں بے نیازی کے ساتھ — ملاتے رہے گو نکلنے دیا

کفن میں لپیٹے ہوئے لے چلے — وہی پھل جو شاخِ عمل نے دیا

وہ مارِ سیہ نفس ہی جس کا نام — ارے تو نے پہلو میں پلنے دیا

ترا سر ہے اور ایک غارِ عمیق — ذرا اگر قدم کو پھسلنے دیا

مشیت کا حسنِ سیاست ہے یہ — کہ تدبیر پر بس نہ چلنے دیا

یہ میرا جگر ہے کہ دل سا عزیز — تمھیں چٹکیوں سے مسلنے دیا

در یار تک شوق عجلت پسند — مجھے سر کے بل کیوں نہ چلنے دیا
فدا لاکھ سر آستاں پر ترے — اُٹھے درد کا سر کچلنے دیا

تڑپتے ہوئے دل کو ہم نے علیؔ
سرِ بزم پنکھا سا جھلنے دیا

محوؔ: جناب محوؔ صاحب مرادآبادی

تری منزلوں نے نہ چلنے دیا — قضا نے نہ دم بھر سنبھلنے دیا
شبِ وعدہ سے پہلے ہی چل دیجئے — یہ دن بھی تو تم نے نہ ڈھلنے دیا
ستم ہے کہ جس دل میں بستے ہو تم — اُسے سوزِ فرقت میں جلنے دیا



مصرع طرح فارسی

"کساں کہ دل بہ تماشائے رنگ و بو بستند"

آزاد: جناب مولوی سید اظہر علی صاحب تحصیلدار سکندرہ راؤ

دلِ رمیدۂ ما را بدامِ او بستند — گرہ زدند بمو، بابِ گفت و گو بستند
"کساں کہ دل بہ تماشائے رنگ و بو بستند" — پیالہ سر کشیدہ لبِ سبو بستند
حریمِ ناز جمال ست ہر کجا بینی — دمے تو دیدہ کشادی کہ رو برو بستند
پیامِ حسن رساند چمن چمن قمری — دہانِ ماست کہ با مُہرِ سرّہ بستند
اگرچہ داغ بود مُہرِ عشق بر دلہا — مرا بجونِ دلم نقشِ آرزو بستند
ہزار شمع جمالت فروخت در سرِ طور — لبِ کلیم۔ زہے جلّ شانہ بستند
بصر ز دیدہ گرفتند و رخ بپوشیدند — بپائے عقل بسر راہِ جستجو بستند
رسد بجلوۂ نازت خیال را چہ مجال — کہ دیدہ را بہ تمنائے خال و مو بستند
بخونِ دل نکنم جام ارغواں چہ کنم — کہ از ازل بہ جبیں نقشِ جا ہد و بستند
غلافِ کعبۂ دل آبلہ شدست مرا — چہ پردہ است کہ با کہنہ سرّہ بستند
نمیرد آنکہ بمیرد۔ بمیرد آنکہ زید — سرِ تاں یا و راکبِ ما و تو بستند

تاب: جناب سید غلام عباس صاحب متعلم مسلم یونیورسٹی

نظر بعشوۂ آں ماہِ فتنہ جو بستند — زباں بغمزۂ آں شوخ تند خو بستند
بسیط سینۂ و دل آرزوئے الفت ہا — چہ تنگی نہ کنند زاں کہ غم برو بستند
شراب و مطرب و ساقی بدرد مجبوری — بنود وجہ تسلّی کہ دل با و بستند
خطا چہ بود اسیرانِ عشق را اے تاب — جز اینکہ دل بہ تماشائے رنگ و بو بستند

خاوری: جناب خواجہ علاء الدین صاحب خاوری ایم اے لکچرر انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بیا کہ خلوتیاں دل بہ مہر او بستند
بہ لوحِ سادۂ جاں نقشِ آرزو بستند

چہ لذتے بہ خلشہائے ذوقِ خودنگری ست
کہ چشمِ اہلِ نظر بہرِ جستجو بستند

نمی دہند اجازت کہ حرفِ او گوییم
اگر زباں بکشادم رگِ گلو بستند

بہ پیرِ میکدہ خوش گفت رندِ نکتہ وری
بیار بادہ کہ پیمانِ اشتر بو ابستند

ز بادۂ کہ چشیدند و باز بنہادند
پیالہ ہا بزدم تا سرِ سبو بستند

جناب علی شروانی

مرا کہ نامۂ اعمال در گلو بستند
ہزار بند بزندانِ رنگ و بو بستند

دریں سرائے سپنجی مسافرانِ عدم
چہ دیدہ اند کہ دلہا بہ آرزو بستند

لب از کجا بہ ادائے سپاس جنبانم
مرا برشتۂ احسان مو بہ مو بستند

چو یارِ ما بفصاحت مبارزے طلبید
سخنورانِ جہاں رختِ گفتگو بستند

شود بحضرتِ خورشید ہمچو آئینہ
کسے کہ عقد اناثیتش بہ ہو بستند

بکار کوشش چو دستت قوی و آزاد ست
چہ سود حسرت آنکس کہ دست و رو بستند

نگر بہمتِ دزدانِ خانۂ خمار
بجیب و جامہ ہمہ ساغر و سبو بستند

بسا غزالِ حرم عالیا کہ چوں وا رفت
شکار کردہ بفتراکِ جنگ جو بستند

عنوانِ نظم

"شاعر کا نصب العین"

اثر: خان صاحب جناب مرزا جعفر علی خاں صاحب لکھنوی

اللہ اللہ فکر شاعر کی — اُن مقامات میں ہے گرم سفر
فہم و ادراک ہیں جہاں عاجز — صرف وجدان ہے جہاں رہبر
حیرت آئینہ بندِ معنی ہے — خود نظر بھی ہے اک حجابِ نظر
تاکہ دل پر ہو سکّہ زن اس طرح — صنعِ یکتا و نقش صورت گر
نقد ہو وہم نسیہ افسانہ — نہ رہے کچھ خیال نفع و ضرر

ایک ہیجاں ہوا طبیعت میں — اور تخیل کے کھلے جوہر
کبھی ٹپکا قلم سے آب حیات — کبھی اُگلے قلم نے لعل و گہر
تو نسیم سبک خرام چلی — نکہتِ گل کی اوڑھ کر چادر
علم و عرفاں کے پھول بکھراتی — ہوئی مائل سوئے طلسمِ صُوَر
بحرِ ہستی میں ایک طوفاں تھا — بند تھی موج موج کے اندر
ہر طرف تھا بلند شورِ خودی — گم ہوئی تھی تمیز خیر و شر
قطرہ قطرہ شکست کے ڈر سے — نظر آتا تھا قلعۂ بے در
کارگاہِ حباب سے ناگاہ — رقص کرتی گزر گئی صرصر
وہ خودی تھی نہ وہ نمائش تھی — شرمساری تھی اور دیدۂ تر
قطرہ دریا سے ہمکنار ہوا — مٹ گیا اختلافِ ہم دیگر

اور سنکی ذرا - سموم ہوئی
روئیں جانکلی جس طرف لیں ادھر

پھونک دی جو متاع کاسد تھی
حرص جاہ و جلال و شہرت و زر

بتِ پندار کو شکستیں دیں
کیئے عزقاب کذب کے دفتر

کہیں فتنوں کے سر کچل ڈالے
کر دیا سازشوں کو شہر بدر

عاصیوں کی اگر کفیل ہوئی
ہوئیں کافور ظلمتیں یک سر

نہ ضلالت تھی اور نہ تاریکی
دامنِ یاس میں تھا دامن تر

ایسے شاعر کا عشق ہے معبود
عشق ہی ہے وصی و پیغمبر

عشق اول ہے عشق آخر ہے
مبتدا ہے وہی، وہی ہے خبر

پیکرِ عشق میں ہے جلوہ نما
وجہ تخلیق کائنات بشر

حسن بھی عشق کا کرشمہ ہے
ورنہ کیوں آتا پردے سے باہر

جب ہوا سر نشینِ بزم مجاز
شوخی آنکھوں میں تھی ہنسی لب پر

اور حیا سے کبھی یہ چہرے کا رنگ
تہ ابر تنک ہو جیسے قمر

ہاں کبھی اس طرح بھی دیکھا ہے
سر شوریدہ اور سنگ در

وہ جبیں اور وہ فگار جبیں،
جیسے گلگونہ شفق میں سحر

اور دل کی تپش کا یہ عالم
مست کے ہاتھ میں بھرا ساغر

ہو رہی تھیں تجلیاں پیدا
ہوک اٹھتی تھی دل میں رہ رہ کر

وہی عاشق ہے اور وہی شاعر
ایک مرکز ہے ایک ہی محور

کوئی شیدائے شاہدِ معنی
کوئی مشتاقِ جلوۂ دلبر

ایک کو آپ جستجو اپنی — اک حقیقت میں محو سر تا سر

نہیں شاعر کا کوئی نصب العین — ہے تعین سے فکر بالاتر
ہاں جو محسوس آپ کرتا ہے — اُس کی دیتا ہے دوسروں کو خبر
یہ بھی صرف اس لیے کہ دنیا میں — عام ہو شورِ عشق و ذوقِ نظر
ماسوا اس کے ہرزہ کاری ہے — غور بیکار فکر دردِ سر

قول شاعر لکیر پتھر کی — گو نہ لائے دلیل دعوے پر
کیوں کہ دل سے جو بات نکلے گی — وہ کرے گی ضرور دل پہ اثر

کیوں اثر شرم کچھ نہیں آتی — آپ اور نظم اور عرضِ ہنر

بدر۔ جناب مولوی بدر الحسن صاحب بدر جلالی

ایڈیٹر اخبار مدینہ

رندِ قدیم آج ہوا بے نیازِ ہوش — محرومِ التفات ہے سامانِ ناؤ نوش
اب نغمہ سازیاں نہیں موجِ شراب کی — ٹوٹا پڑا ہے میکدے میں سازِ بےخروش
مینا فسردہ خاطر و ساغر شکستہ دل — تصویرِ ایک یاس کی ہے بربطِ خموش
یارانِ رفتہ کی نہیں صد حیف کچھ خبر — کیا جانیے کہاں ہیں حریفانِ بادہ نوش
سب لٹ گئی متاعِ خمستانِ عزم کی — سونی پڑی ہے انجمنِ پیرِ مے فروش
امیدِ بادہ خوار یہ خوں رو رہے کہ ہے — رشکِ سکونِ یاس شرابِ کہن کا جوش
عبرت گہ ہراس ہے ہنگامہ زارِ عشق — مطرب شنے نہ یہ لب ہے نہ ساقی سبو بدوش

شوقِ عمل یہ حیرتِ ناکام کا ہجوم گویا ہے خودکشی کا سبب داستانِ دوش
باقی ہے اتنی گرمیٔ محفل کی یادگار
یا کج روئی دود ہے یا شعلۂ خموش

اے نکتہ سنج علتِ تکوینِ آب و گل (۲) اے شاعرِ سخن گر و حق کوش و حق نیوش
اے وہ کہ تھا مصوّرِ فطرت ترا لقب اے وہ کہ ہر مرقعِ عالم کا نقش کوش
اے وہ کہ جس سے محفلِ ہستی کو تھا فروغ اے وہ کہ ہر ادائے عمل میں تھا دل فروش
اے وہ کہ جس کے خون میں بے روحِ جہاد تھی ثابت ہوا جو راہِ محبت میں سر فروش
اے وہ کہ جس کی سعیِ مسلسل پیامِ فتح اے وہ کہ تھا عزائمِ پیہم میں صدق کوش
اے وہ کہ جس کی شان ہی تلمیذِ داوری اے وہ کہ جس کی بات بیانِ لبِ سروش
اللہ رے بے نیازیٔ منزل کہ سو رہا آغوشِ راہزن میں ترا کاروانِ ہوش
سن بے خبر کہ چرخ سے آتی ہے کیا صدا
مسلم ہے سہل کار تو مشرک ہی سخت کوش

اے ماتمیٔ محفلِ پارینہ رحم کر (۳) اب لوٹ کر کبھی نہیں آئے گی بزمِ دوش
تھا دور جو بھی تجھ پہ گزرنا گزر گیا آ اُٹھ اکہ ہم سنائیں پیامِ لبِ سروش
ہر بیشۂ حیات میں صورِ عمل کا شور ہر ریشۂ نبات میں نشو و نما کا جوش
ہر موجِ سراب ہے تفسیرِ صد تپش ہر قطرۂ سحاب ہے اک برق شعلہ پوش
ہر ذرہ مرتعش ہے بیابانِ عشق کا ہر روح ہی کشاکشِ ہستی میں عزم کوش
ہر تارِ سازِ گیتیٔ ناپائیدار میں اب چھڑ رہے ہیں شوق کی صد نغمہائے ہوش
خم خانۂ حیات سے تو بھی ہو جرعہ نوش اب بھی بنا لے بزمِ محبت کو پرخروش
خوابیدہ روزگار میں حق کو پکار کر
خونِ عمل سے محفلِ کن لالہ زار کر

جناب زین الدین صاحب کرمانی

متعلم انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی

شاعر خود پرست ہوں طرحِ زنِ جہانِ دل — میرا بیاں بیانِ دل میری زباں زبانِ دل
دل کی لگی ہوئی فقط میرے سخن کا مدعا — جس کو کچھ اعتراض ہو کر لے وہ امتحانِ دل
میرے نفس میں ہو نہاں مرگ وحیات آرزو — دل ہے مرا دلِ جہاں میرا جہاں جہانِ دل
سارا جہانِ رنگ و بو عکس مرے سخن کا ہے — رونقِ بزمِ صد جہاں پرتوِ گلستانِ دل
کون و مکاں میں ہر طرف میرے ہی دل کا نور ہے — دونوں جہاں کے پھول ہیں بلبلِ بوستانِ دل
بہر ہدایتِ جہاں کہتا ہوں دل کو مرحبا — نظم ہے داستانِ دل، شعر ہے ترجمانِ دل
لکھنا حدیثِ غیر کا شیوۂ اہلِ دل نہیں — میں ہوں خود اپنی داستاں میرا نشاں نشانِ دل
بھول کے جس کو بے ہنر کہنے لگے ہیں نیچرل — اس کو مری زبان میں کہتے ہیں داستانِ دل
شاعرِ بے نشاں ہے وہ، فطرتِ بے زباں ہے وہ — سارے جہاں سے ہے الگ منزلِ کاروانِ دل
کہتے ہیں زینؔ اسی کو سب شاعرِ بزمِ معرفت — جس کا بیاں بیانِ دل جس کی زباں زبانِ دل

ساغرؔ جناب صمد یار خاں صاحب (سیمابی) علیگ

اے نقادِ بزمِ معنی ممنون ہوں تیری پرستش کا (۱) تو مقصد پوچھنے آیا ہے "شاعر" کی ذہنی کوشش کا

میں شاعر ہوں سو ہی شاعر الہام مرا پیمانہ ہے — اک ہاتھ میں ہے ساقیِ قلم اک جھکی میں پیمانہ ہے
ساقیِ قلم مستی سے پیمانہ بھر بھر دیتا ہے — پیمانہ جب بھر جاتا ہے صہبا باری کر دیتا ہے
صہبا کی ہر موجِ رنگیں اک شعرِ ناطق ہوتی ہے — میں سحر جگایا کرتا ہوں جب ساری دنیا سوتی ہے
میں خود ہی نوائے ملہم ہوں محوِ شور و ادراک نہیں — وہ میرا شعر نہیں قطعاً جس میں رازِ کونین نہیں

"یہ میرا نصب العین نہیں"

شاعر کے نصب العین میں منشا قدرت کی تھرّاتی ہے
شاعر کے ذہن روشن پر کرنیں بن کر چھا جاتی ہے

ہے عرش بداماں ذوق نظر، میں کب محدود بستی ہوں (۲) گو خاک کا پیکر ہوں لیکن ادراک کی روشن بستی ہوں
سب دھندلے نقش قدامت کو میں اپنے پیچھے چھوڑ آیا — تھا جن پہ غبار تاریکی وہ سارے شیشے توڑ آیا
اب دل کی غم ناکی مجھکو تسکین مسرت دیتی ہے — اب حسن کی رعنائی مجھکو پیغام حقیقت دیتی ہے
اب جھوٹی سچی باتوں سے دل میرا نفرت کرتا ہے — اب اس پہ ہنسی آتی ہے مجھے جو لفظی آہیں بھرتا ہے
اب بے معنی فریاد نہیں، اب مہمل شور و شین نہیں — یوں لکھنا تجھ بن صبر نہیں، یوں کہنا تجھ بن چین نہیں

"یہ میرا نصب العین نہیں"

بے صبر ہوں لیکن قلزم کے احساس میں اک قطرے کی طرح
بے چین ہوں لیکن مرکز سے گھبرائے ہوئے شعلے کی طرح

وہ نصب العین شاعر ہے جو نصب العین فطرت ہے (۳) جو مقصد مابین انسان اور مابین فطرت ہے
خوابیدہ ہو جو قوم اس کو پیغام بیداری دینا — تاریک فسردہ ذرّوں کو احکام ضو باری دینا
جذبات کی مردہ روحوں کو زندہ کرنا انسانوں میں — تخئیل سے امرت رس لیکر قطرہ ٹپکانا کانوں میں
پھولوں کے ریشوں میں کھو کر پھولوں کی فطرت پڑھ لینا — کانٹوں میں ہو کر جذب خلش کی ہر نوعیت پڑھ لینا
عرفاں کے موتی چن لینا اسرار کی ہر گہرائی سے — افکار کے سورج چمکانا انوار کی ہر پہنائی سے

"یہ نصب العین شاعر ہے"

میں نبض شناس شاعر ہوں اُس کی فطرت کا ماہر ہوں
یہ نصب العین شاعر ہے، میں واقف ہوں میں شاعر ہوں

نغمات سحر کے سن لینا رنگین افق کے جینگوں سے (۴) تاریکی شب کو پڑھ لینا خاموش شفق کے رنگوں سے
انسانوں میں پیدا کرتے وہ عنصر انسانیت کے — جو عظمت کے گہوارے ہوں، آئینے روحانیت کے
تاروں کی عصمت میں چھپ کر تعلیم محبت کی دینا — بیداری کا منہ دھو دینا غفلت کی آنکھیں سی دینا

دنیا کو نفس پرستی کے غاروں سے اوپر لے آنا ذرّوں کی دھندلی پستی کو تاروں کے ویرلے آنا
مضرابِ عمل سے چھو لینا تحریک کے قائم تاروں کو عبرت سے پانی کر دینا بدمستی کے انگاروں کو
"یہ نصب العین شاعر ہے"

تجدید تعلق رکھتی ہے ہر نصب العین شاعر سے
پھر کس کا نصب العین ہو بڑھ کر نصب العین شاعر سے

دنیا کی ذہنیت پڑھ کر بن جانا درس نصابوں میں (۵) ذہنوں کو مرتب کر دینا بن کر الفاظ کتابوں میں
آیندہ نسلوں کے مستقبل کو رنگ عظمت دینا جو پیدا ہونے والی ہیں اُن روحوں کو قوت دینا
ترکیب عزم و جزم سے کچھ ہمت والے دل بنوا لینا دنیا میں آنے والے طوفان کے ساحل بنوا لینا
ایوانِ حکمت کو دینا ترتیب نئے "آئینوں سے" اسرار اگلوا لینا گہرے سینوں کے گنجینوں سے
دنیا کے "حسنِ کہنہ" سے تازہ جلوے پیدا کرنا نغموں کو لے سے بھر دینا لَے سے نغمے پیدا کرنا
"یہ نصب العین شاعر ہے"

قدرت اصلاح خلقت کی ہمیں یہ تنہا قادر ہے
باقی جتنی تحریکیں ہیں ان سب کا مصلح شاعر ہے

حریت کے میدانوں میں اپنے رایت چمکاتا ہے (۶) قومیت کے ایوانوں میں تنظیم کے نغمے گاتا ہے
اصلاح کی قندیلیں لے کر جاتا ہے خلوت گاہوں میں تہذیب کی تمثیلیں بن کر پھرتا ہے جلوت گاہوں میں
جب قافلے اپنی غفلت سے چلتے ہیں راہ باطل پر وہ بانگ جرس بنکر اکثر گونجا کرتا ہے منزل پر
گمراہوں کو منزل کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے وہ رہگیرِ واماندہ کو اُٹھنے کی قوت دیتا ہے
وہ تاروں کی آنکھیں بن کر کرتا ہے سیر اندھیروں کی سورج کی کرنوں میں چھپ کر سنتا ہے گونج سویروں کی
"یہ نصب العین شاعر ہے"

یہ نصب العین فقط کامل شاعر کے دل میں ملتا ہے
تکمیل مگر جب ہوتی ہے جب ذہن کا تارا کھلتا ہے

(۷) وہ رمز شناس معنی ہے فطرت کی طرف سے شاعر ہے — یہ ہے سطحی تنقید مری، جذبات نگار رہا طرہے
وہ ملت کی ذہنیت پر چھا جاتا ہے۔ حالی بن کر — اقبال میں ظاہر ہوتا ہے اک فلسفۂ عالی بن کر
اکبر کے لطائف میں چھپ کر اصلاح کی کوشش کرتا ہے — شبلی کے تبحر میں دورِ رفتہ کی نمائش کرتا ہے
خیام و حافظ کی لے میں گاتا ہے ترانے مستی کے — داغ و غالب بن کر افشا کرتا ہے مقصد ہستی کے
الجھے ہوئے راز ہستی کو لفظوں سے سلجھا دیتا ہے — فطرت کے معموں کو اکثر باتوں میں سمجھا دیتا ہے
"یہ نصب العین شاعر ہے"

شاعر ہے وہی جو ہر لے میں فطرت کے ترانے گاتا ہو
ساز دل کے ہر پردے میں اپنی آواز سناتا ہو

(۸) "شاعر" خود نصب العین ہے فطرت کے عزم صد رنگی کا — ہر رنگ اس کے آہنگ میں ہے قدرت کی ہم آہنگی کا
وہ خود اک مقصد ہے کامل خود فطرت کا مقصود ہے وہ — ہر نصب العین میں پنہاں ہے ہر مقصد میں موجود ہے وہ
ہے اس کا ہی نقش جادۂ تقلید کے قابل عالم میں — الفاظ سے اس کے سجتی ہے الہام کی محفل عالم میں
فطرت کے "تکلیم اعظم" سے ہر وقت مخاطب رہتا ہے — "طوطی لیس آئینہ ہے" "جو سنتا ہے وہ کہتا ہے"
"یہ نصب العین شاعر ہے"

جب سنے کی نوا آتی ہی نہیں اس کا نغمہ اور بین ہی کیا؟
جس پر فطرت خود قادر ہے پھر اس کا نصب العین ہی کیا؟

سیماب۔ جناب مولوی عاشق حسین صاحب۔ اکبر آبادی

(۱) جب روح محو خواب ہو جب خواب سکر آمیز ہو — جب ہو جمود آگیں فضا مستی غفلت تیز ہو
جب موجۂ افکار میں ہو انتشار مستقل — جب ورطۂ ادبار کی ہر موج طوفاں خیز ہو
پھیلی ہوئی ہو جب وبا دنیا میں استبداد کی — جب ہر نفس ہو مضطرب، ہر سانس غم انگیز ہو
جب نشتر احساس خود دل کی رگوں کو چھیڑ دے — جب خاطر مجروح کا ہر سانحہ خوں ریز ہو

جب آدمی مظلوم ہو، اور زندگی مظلوم ہو　　جب بے کسی کے سامنے ہر وقت اک چنگیز ہو

اُس وقت شاعر سے کہو تخئیل کو تکلیف دے

اجزائے نظم و فکر کو رنگینیٔ تالیف دے

شاعر کا عینِ فرض ہی، تسکین دے جذبات کو　(۲) کر دے ہویّا تابشیں تاریک حسیّات کو

پھولوں کے دل میں کھول دے بادِ چمن کے راستے　　ہموار کر دے دشت میں پھیلے ہوئے ذرّات کو

سوتے فنا کے جوڑ دے۔ سرچشمۂ جاوید سے　　دے اک حیاتِ تازہ تر، دنیائے محسوسات کو

نغموں سے اپنے پھونک دے پژمردگی میں تازگی　　تبدیل کر دے کیف میں، مایوسیٔ حالات کو

اُٹھے اور اپنی ہمّتِ تحقیق کو کر دے بلند　　جب حادثوں کے خوف سے تھرّائیں ارادات کو

چھا جائے ہستی زار پہ صبحِ نگاریں کی طرح

برسے دلِ بیدار پہ الہامِ رنگیں کی طرح

شاعر کے نصب العین میں، تقدیس استحکام ہے　(۳) ہر شعر میں اک درس ہی ہر لفظ میں الہام ہے

شاعر کے نصب العین میں، عزمِ الٰہی ہی نہاں　　اس کے قلم کی ہر تڑپ فطرت کا اک پیغام ہے

شاعر کے نصب العین میں، عرفاں کی موجیں ہیں بلند　　آغاز اس کی فکر کا، وابستۂ انجام ہے

شاعر کے نصب العین میں، ہے کامیابی خلق کی　　مقصد میں اپنے اس لیے وہ فطرۃً ناکام ہے

شاعر کے نصب العین میں، ہیں دو جہاں کی برکتیں　　نظروں میں صبحِ عرش ہی، تحت الثریٰ کی شام ہے

پیدا ہوا ہے فکر کی مشکل کشائی کے لیے

شاعر ہے "آوازِ خدا" ساری خدائی کے لیۓ

شاعر کا نصب العین ہرگز ایک ہو سکتا نہیں　(۴)، وہ رندِ مے کش ہی کہیں، اور مصلحِ اعظم کہیں

جب مست ہی تو اس کی نظروں میں ہی ساقیٔ ازل　　جب ہوش میں ہی، محفلِ عالم کا ہی مسند نشیں

مجذوب ہے تو ہے حقیقت فاش اس کے جذب میں　　سالک ہے، تو ہے قافلہ سالارِ اربابِ یقیں

قائد بھی ہی، مرشد بھی ہی، عابد بھی ہی، ناقد بھی ہی،　　کثرت میں لا محدود ہی وحدت میں ہی خلوت گزیں

وہ حسن کا شاہد بھی ہے، اور عشق کا مشہود بھی
ساجد بھی ہے مسجود بھی، گاہے جہاں گاہے جبیں

جو کچھ ہے، جیسا ہے، جہاں ہے "حاصلِ کونین" ہے
اب کیجئے خود فیصلہ، کیا اُس کا نصب العین ہے

عشرت کدوں میں اس کے نصب العین ہے نوروز ہی
(۵) ماتم کدوں میں اس کا نصب العین مطلق سوز ہی

وہ آخری مقصد ہے سرودِ گرمِ رزم و بزم کا
وہ رونقِ ایواں ہے، وہ میدان میں فیروز ہی

صبحِ الہیات کا خورشید ہے نور آفریں
شامِ سیاسیات کی اک شمعِ شب افروز ہی

اصنافِ نفسیات میں اس سا کوئی ماہر نہیں
درسِ طبیعیات میں پیرِ جہاں آموز ہی

مردِ تصور ہی نہیں، کامل مصور بھی ہے وہ
"فِی کُلِّ وَادٍ" میں اسی کا ذکر خیر اندوز ہی

قسمت ہوئی تخئیل کی آوردِ تقدیری اسے
فطرت نے خود تفویض کی شانِ ہمہ گیری اسے

جس وقت کوئی کارواں عمرِ سبک رانی کرے
(۶) اُس وقت شاعر سے کہو، لے حدی خوانی کرے

جب ہیئتِ اقوام میں بڑھنے لگیں دشواریاں
اُس وقت شاعر سے کہو، تدبیرِ آسانی کرے

جب گردِ زار یاس میں چھپ جائے سارا قافلہ
اُس وقت شاعر سے کہو، سعیِ درخشانی کرے

جب شورشوں کے بعد بھی ممکن نہ ہو اک انقلاب
اُس وقت شاعر سے کہو، خونِ جگر پانی کرے

جب ایک بھی آنسو نہ چشمِ خلق میں باقی رہے
اُس وقت شاعر سے کہو، اک نالہ ارزانی کرے

شاعر کو ہر بے چین دل کا چین ہونا چاہیئے
ابتک نہیں، تو اب یہ نصب العین ہونا چاہیئے

جناب علی شروانی

کسی نے آکے پوچھا ایک تصویرِ پریشاں سے
خرابِ فکر یعنی شاعرِ بے برگ و ساماں سے

کرلے وابستہ و فارغ نشیں کنجِ تنہائی
فراغت ہو اگر زلف و رخ و چاہِ زنخداں سے

بتا دے ہم کو تیرا انتہائے آرزو کیا ہے　　تو کیا لینے کو آیا ہے نمایشگاہ امکاں سے

یہی موضوع فکر بزم ہے کہدی جو کہنا ہو　　کہا کیا پوچھتے ہو دور حاضر کے مسلماں سے

نہ ہونا منزل مقصود نصب العین ملت ہے　　چلا ہے قافلہ سر مارنے کوہ و بیاباں سے

نہ پوچھو فرد ملت سے کدہر کو جا رہا ہے تو　　کہ مثل خار ہے لپٹا ہوا ملت کے داماں سے

فقیر بینوا کا مطلب و مقصود کیا ہوگا،
تہیدستان قسمت خاک لیجائینگے دوکاں سے

کہا تجھکو ہوائے سیم و زر معلوم ہوتی ہے　　رخ زیبائے دولت پر نظر معلوم ہوتی ہے

یہی رشک پری سارے پرستان تمدن میں　　مریضان ہوس کی چارہ گر معلوم ہوتی ہے

اساس سلطنت قائم ہے اسکے رکن محکم پر　　یہی فرمانروائے بحر و بر معلوم ہوتی ہے

تمنا علم و فضل و خیر و اصلاح و سعادت کی　　بغیر اسکے دعائے بے اثر معلوم ہوتی ہے

اسی کے دم سے دنیا کا چمن شاداب و خنداں ہے　　شب غم اسکے پرتو سے سحر معلوم ہوتی ہے

سر افلاس پر باطل کی فوجیں حملہ آور ہیں　　یہی دین الٰہی کی سپر معلوم ہوتی ہے

در دولت پہ اسکے ذلت و شرم و ندامت سے
تہیدستی جہکائے چشم و سر معلوم ہوتی ہے

کہا وجہ معیشت کے لیے حاجت ہے دولت کی　　مگر یہ منزل اقصیٰ نہیں ارباب ہمت کی

جہاں حرص و ہوا نے اسکو نصب العین ٹھیرایا　　زمیں پر آرہی بنیاد اخلاق و شرافت کی

ہمیشہ کے لیے پوشیدہ زیر خاک ہیں گویا　　دفائن بنکے لاکھوں حسرتیں اصحاب ثروت کی

فسانہ گنج قاروں کا نہیں ہے بلکہ قدرت نے　　لکھی ہے آب زر سے داستاں دنیا سے عبرت کی

جہاں کی ذلتوں کے بعد دولت ہاتھ آتی ہے　　مگر ہمراہ لاتی ہے ادائیں کبر و نخوت کی

سفر ہو برق و باراں ہو مرض ہو مرگ و شادی ہو　　نہیں ہے تشنۂ زر کو اجازت استراحت کی

ہزار انبار سیم و زر سے قیمت میں گراں تر ہے
جہاد و جانفشانی اشرف انواع خلقت کی

کہا شاید تجھے مرغوب ہو ذوقِ تن آسانی — سرائے خوب و سامانِ تعیش کی فراوانی

ترا ماحول ہو ایسی فضائے عیش کا حامل — نہ ہو جس میں غبارِ زحمت و فکر و پریشانی

حریمِ ناز کے خدام خوانِ منّ و سلویٰ سے — بجا لائیں ترے کام و دہن کا فرضِ مہمانی

ادائیں دیکھ کر تیرے لباس و رنگ و روغن کی — بنے آئینۂ دیوار بھی تصویرِ حیرانی

"کنارِ آبِ رکن آباد و گلگشتِ مصلّیٰ" پر — خرامِ ناز ہو عزت فزائے فرشِ کاشانی

حدیث و بذلہ سنجی بزمِ یارانِ طریقت کی — کرے کوتاہ گویا قصۂ ساعاتِ طولانی

نظامِ کار ہو تسکینِ احساسِ تفنّن کا
سماع و سیر و تفریح و شکر خواب و غزلخوانی

کہا تو نے مجھے دورِ فلک سے بے خبر جانا — شرابِ ارغوانی سے مرے دامن کو تر جانا

شکستِ غنچۂ صد برگ سے ظاہر ہے گلشن میں — کتابِ عیش کے اوراقِ رنگیں کا بکھر جانا

غروبِ آفتابِ زندگی کا پیش خیمہ ہے — خطِ نصف النہارِ نوجوانی سے اتر جانا

خراباتِ جہاں میں تھا چھلکنے کے لیے گویا — مئے لذات سے پیمانۂ عشرت کا بھر جانا

نہیں کوئی حقیقت مستیٔ عیشِ دو روزہ کی — گرا پستی میں جس نے اس کو منظورِ نظر جانا

پرستارِ ہوس کا لازمی انجام ہوتا ہے — ذلیل و خستہ و ناکام دنیا سے گزر جانا

ہزاروں آشنا اس ورطۂ خونخوار میں ڈوبے
کسی نے بھی نہ جانا جن کا جینا اور مر جانا

کہا اے حاملِ گنجینہ ہائے علم و دانائی — ترا دل ہے مگر معشوقۂ شہرت کا شیدائی

کمال و خود نمائی لازم و ملزوم ہیں گویا — جہاں شانِ کمال آئی ہوا شوقِ تماشائی

نتیجہ ہے کسی محبوب کے ذوقِ تجلّی کا — یہ سارے عالمِ ایجاد کی ہنگامہ آرائی

حیائے حسن کو در پردہ خود مشہور ہونا تھا — لکھی تھی عاشقِ محروم کی قسمت میں رسوائی

اسیرِ نافہ بوئے مشک ہرگز رہ نہ سکتی تھی — نہ ٹوٹا قفلِ زنداں اور زنداں سے نکل آئی

یہی خواہش ہے جو میدانِ ہستی میں سکھاتی ہے
شجاعت کو اُولوالعزمی ادب کو خامہ فرسائی

گماں ہے محفلِ صحرا نشینانِ تخیّل کا
کہ ہے تو بھی اسی لیلائے سرگرداں کا سودائی

کہاں اے بازجوئے رازِ ہستی آفریں تجھکو
سکھایا کس نے اندازِ کلامِ دلنشیں تجھکو

اگر محبوب ہے وہ شاہدِ روشن جبیں تجھکو
تو پھر حاجت کسی منزل میں رہزن کی نہیں تجھکو

ریاکاری جسے کہتے ہیں شہرت کی تمنا ہے
ملا ہے زہر میں حل ہوکے ذوقِ انگبیں تجھکو

فضا میں لیے گل کے ساتھ اڑنا چاہتا ہے تو
لیے جاتی ہے دوزخ میں ہوائے آتشیں تجھکو

ملا کر عزتِ اخلاص خاک خودنمائی میں
نہ کر دے شہرتِ دنیا کہیں رسوائے دیں تجھکو

جسے شام و سحر خونِ جگر سے تو نے پالا ہے
نہ کھالے اژدہا بنکر وہ مارِ آستیں تجھکو

مجھے اے ازجواب شوقِ تنہائی ستاتا ہے
مرے اشغال کہتے ہیں سلامِ واپسیں تجھکو

کہاں ممکن نہیں ہرگز کہ محرومِ تمنا ہو
وہ پہلو جس کے پردے میں دلِ وارفتہ رہتا ہو

ترا مقصودِ خاطر ہم نے اب سمجھا کہ ایسا ہو
خموشی ہو شبِ تاریک ہو دیوانہ تنہا ہو

سرِ طاعت رکھا ہو آستانِ بے نیازی پہ
زباں پر ہے مرے خالق مرے مالک مرے مولا ہو

تغافل کا نشاں مٹ جائے گویا ذکرِ پیہم سے
شبِ اعمال میں صبحِ سعادت آشکارا ہو

اٹھیں پہلو میں ایسے ولولے جوشِ محبت کے
کہ سارے قلزمِ ہستی میں اک طوفاں بپا ہو

وجودِ غیر کو محویتِ صادق فنا کر دے
نگاہِ قیس میں سارا جہاں لیلیٰ ہی لیلیٰ ہو

نہ آئیں زلزلے جمعیتِ خاطر کی دنیا میں
ثباتِ قلب کو آشوبِ محشر کا نہ کھٹکا ہو

یہ سنکر شاعرِ بیتاب کا دل پھٹ گیا گویا
ہوئے احساس کی دنیا میں سو محشر بپا گویا

سمٹ کر آگیا دریائے خوں آنکھوں کے پہلو میں
سمندر ایک ہی جنبش میں دو کوزوں میں تھا گویا

ابھر آئے جبیں پر انفعال و شرم کے قطرے — نکل آئی حجابوں سے عروس مدعا گویا
خموشی بن گئی آئینۂ باطن نما لیکن — زباں کو حال دل نے کر دیا بے دست و پا گویا
مصور کا قلم درکار تھا شرح حقیقت کو — کہ راوی کے لیے ناگفتنی تھا ماجرا گویا
فسانہ ختم ہوتا ہے بس اتنا رہ گیا باقی — کہ جب گم ہو گیا شاعر کا وجد خود رہا گویا
اٹھا کر آنکھ سوئے آسماں دنیائے حسرت کی — دل مجروح سے اک آہ کی اور یوں ہوا گویا

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا — کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا
شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل — کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا
ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر — نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

مشرق - جناب لطیفی صاحب

دیدۂ شوق سے ہو محو تماشا مشرق — از سر نو ہے مقابل رخ زیبا مشرق
دیکھ وہ پردہ اٹھا صورت آزادی سے — تیری آنکھوں کے لیے ہے یہ اچنبا مشرق
جو حرارت ہے ازل سے ترے سینے میں نہاں — بزم یخ بستہ ہیں کر اس کو ہویدا مشرق
قصر ہستی کی بنا ڈال نئی صورت سے — تیرے دشمن تجھے کہتے ہیں پرانا مشرق
جس کی تلچھٹ میں بھی ہو حب وطن کی مستی — اپنے رندوں کو پلا دے وہی صہبا مشرق
ملت مغرب میں دوا کوئی نہیں ہے جس کی — تو اسی درد نہاں کا ہے مسیحا مشرق
خود گریں گے تجھے آنکھوں سے گرانے والے — ہم سمجھتے ہیں تجھے آنکھ کا تارا مشرق
سرفروشی کا اسی مرد کے سر ہے سہرا — جس کے سر میں ہو سمایا ترا سودا مشرق
شب پرستوں کو وہ لاتا نہیں خاطر میں کبھی — جو ہوا تیری سحر گاہ کا شیدا مشرق

یہ لطیفی کی دعا ہے کہ خدایان فرنگ
ترے در پر ہوں ابھی ناصیہ فرسا مشرق

شاعر کا ترانہ ۔ نامعلوم الاسم

عجب اک عالمِ کیف و لطافت ہے مری دنیا
شفق کا رنگ ہے پھولوں کی نکہت ہے مری دنیا

مری اقلیم کی وسعت زمیں سے آسماں تک ہے
مری تخئیل کی رفعت حدودِ لامکاں تک ہے

جو آنکھیں بند کر لوں چشمِ باطن کھول کر دیکھوں
تو ہر ذرّے میں صحرا، ہر ستارے میں قمر دیکھوں

اگر چاہوں تو پروازِ تخئیل کی لطافت سے
نکل کر ہی دکھا دوں عالمِ امکاں کی وسعت سے

کبھی جھیلوں سے دلچسپی کبھی دریا سے دلچسپی
کبھی خلوت کدوں میں ساغر و مینا سے دلچسپی

کبھی بے حاصلی میں روز و شب برباد ہوتا ہوں
کبھی بیکار ہنستا ہوں کبھی بے کار روتا ہوں

ربابِ دل سناتا ہوں پہاڑی آبشاروں کو
تخیل کے پروں پر اڑ کے چھو آتا ہوں تاروں کو

میں آکر شب کی تنہائی میں سب سے چھپ کے روتا ہوں
نمِ گریہ کے آبِ گرم سے تکیے بھگوتا ہوں

میرے کانوں میں شب کو وہ صدائے درد آتی ہے
جو سازِ دل کے ہر پردے کو آکر چھیڑ جاتی ہے

یہ وہ نقشے ہیں جن میں اس قیامت کا ترنم ہے
کہ معنی کچھ نہیں پھر بھی سماعت کیف میں گم ہے

غرض اک رازِ پنہاں ہے یہ سرشاری یہ سرمستی
کبھی پستی میں رفعت ہے بلندی میں کبھی پستی

مری مانند دیکھا کر مناظر چشمِ عبرت سے
فضائے قلب کو لبریز کر دیوانِ فطرت سے

حقائق سب عیاں ہو جائیں گے زندانِ ہستی کے
بلندی کی طرف لیجائیں گے جذبات پستی کے

نوائے شوق سے بھر لے ربابِ دل کے تاروں کو
نظر میں جذب کر لے ساری دنیا کی بہاروں کو

کلامِ غیر طرح

جناب جگر مراد آبادی

نالہ پابندِ نفس اے دلِ ناشاد نہیں
یہ تو فریاد کی توہین ہے فریاد نہیں

اب یہ کیا بات کہ آباد نہیں شاد نہیں
دل گزرگاہ تری ہے تجھے کیا یاد نہیں

عشق محرومِ اثر او ستم ایجاد نہیں
ہے یہ تیری ہی صدا درد کی فریاد نہیں

آنکھ کہدے جسے وہ عشق کی رُوداد نہیں
دل سے آجائے جو لب تک وہ کوئی فریاد نہیں

ہم وہ مدہوشِ ازل ہیں کہ الٰہی توبہ
دل سے کیا کہہ کے چلے تھے ہمیں کچھ یاد نہیں

نقش بنکر اسے رہنا ہے سنو یا نہ سنو
دل کی آواز ہے یہ درد کی فریاد نہیں

موت ہے ذوقِ طلب کے لیے عزمانِ حصول
سعی برباد ہے جو سعی کہ برباد نہیں

مستیٔ غم کا ہے ادراک جسے کہتے ہیں درد
ہستیٔ دل کا ہے احساس تری یاد نہیں

آنکھ غافل ہے کہ ہے تشنۂ دیدار ہنوز
دل ہے آگاہ کہ تو خود ہے تری یاد نہیں

پھونکدے قیدِ تعیّن کو بھی اے برقِ جمال
دل ہے آزاد نگاہیں ابھی آزاد نہیں

تم نے کیوں انجمنِ ناز میں تیور بدلے
دل دھڑکنے کی صدا ہے کوئی فریاد نہیں

غم سلامت ہے تو کرلے گا بہت دل پیدا
سچ کہا آپ نے ہستی تری برباد نہیں

دور ہے منزلِ عرفانِ خودی اور یہاں
بے خودی کا ہے یہ عالم کہ خدا یاد نہیں

مختصر ہے مری ہستی کی حقیقت یہ جگر
مجھ میں آباد ہیں سب میں کہیں آباد نہیں

ولہ

جو جہنّم میں بھی فردوس بہ داماں ہونگے
دیکھ لینا وہ ہمیں سوختہ ساماں ہونگے

وہ جدھر ناز سے بے پردہ خراماں ہونگے
ذرّے سب جامِ بکف مست و غزلخواں ہونگے

لاکھ صحرا دلِ ہر ذرّہ میں رقصاں ہونگے
ہم سے دیوانے اگر داخلِ زنداں ہونگے

ایک در پردہ کشاکش سے پریشاں ہونگے
خود کو جتنا وہ چھپائیں گے نمایاں ہونگے

نہیں معلوم وہ کس وضع کے انساں ہونگے
جن پہ تیرے ستمِ خاص کے احساں ہونگے

جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہونگے
ہم تو ہم بت ہی کسی روز مسلماں ہونگے

میری حیرت کی قسم آپ اُٹھائیں تو نقاب
میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہونگے

میں چھپاتا ترے اسرارِ محبت ظالم
کیا خبر تھی مری رگ رگ سے نمایاں ہونگے

وسعتِ شوق میں کچھ ذرّے ہیں دل کے محفوظ
پھر کسی روز نئے سر سے نمایاں ہونگے

عین قربت میں بھی ہم تو ہیں جہنم بہ نفس
وہ بھی ہوں گے کہ جو فردوس بداماں ہونگے

دشتِ وحشت نے اُڑائے تو ہیں دل کے ٹکڑے
یہی ٹکڑے کبھی پیوندِ گریباں ہونگے

تجھ کو گلشن کی قسم چھیڑ نہ اے بادِ سحر
کھل گئیں غنچوں کی آنکھیں تو پریشاں ہونگے

حسن آزادیٔ زنداں بلا کیا کہئے
اب جو چھوٹے تو اسیرِ غمِ زنداں ہونگے

پھونک دے اس کو بھی لے برقِ تجلّائے جمال
مجھ پہ کب تک نگہِ شوق کے احساں ہونگے

حُسن تک دیکھ لیں سب حسن کے جلوؤں کی بہار
مجھ تک آئے تو مرا حال پریشاں ہونگے

نغمۂ بربطِ غم، کیفیتِ اشک، شورشِ جاں
انہیں پردوں سے کسی دن وہ نمایاں ہونگے

حسن بے قید سہی عشق بھی محدود نہیں
مجھ کو پائیں گے جہاں تک وہ نمایاں ہونگے

شعلہ سامانیٔ غم پر نہ کرو ناز جگر
تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہونگے

جناب[۱] مولوی غلام امین (امیر) صاحب رئیس و مختار بدایوں

اثر کا نام و نشاں نالۂ و فغاں میں نہیں
ٹھہر کہ رازِ طلب سعیِ رائگاں میں نہیں

کمی وفا کی دلِ زار و ناتواں میں نہیں
بس امتحان کا ڈر ہے کچھ امتحاں میں نہیں

مری نظر میں تغافل ہی انتہائے ستم
مگر یہ آپ کا حصّہ ہے آسماں میں نہیں

تری ادا ہے نویدِ بقا۔ قضا بھی سہی
یہ شان اور کسی مرگِ ناگہاں میں نہیں

ازل میں صرف دلِ بے قرار کی خاطر
ملی وہ بخت کو گردش جو آسماں میں نہیں

فسانہ گو کو ہٹا۔ آہِ جاں گداز سے سن
وہ داستاں کا ضمیمہ جو داستاں میں نہیں

وہ بڑھ رہی ہیں شعاعیں وہ اٹھ رہا ہے نقاب
سنبھل مذاقِ نظر! دیر امتحاں میں نہیں

غمِ حیاتِ دو روزہ بہت غنیمت ہے
کہ روحِ کشمکشِ عمرِ جاوداں میں نہیں

کہیں سے آہ اثر کو بھی کھینچ لائے گی
اثر زباں میں نہ ہو کیا اثر جہاں میں نہیں

نگاہِ یاس یہ کیا کہہ گئی دمِ آخر
اب اعتذار کی طاقت بھی نیم جاں میں نہیں

جنوں کو تنگیٔ دل کا گلہ نہیں یارب
وہ وسعتیں ملے وہی ہیں جو لامکاں میں نہیں

عجیب مضطربِ اعمال تھی بہارِ شباب
مگر وہ روحِ تلوّن اب اس خزاں میں نہیں

تری تلاشِ نظر کے لیے معمّا ہے
کہ ہر مکاں میں ہے تو اور کسی مکاں میں نہیں

نگاہِ ناز یہ سفّاکیاں اشاروں میں
کہ میرے قتل کا فتویٰ مری زباں میں نہیں

دلِ حزیں بھی ہے جانِ ضعیف بھی ہے امیرؔ
مگر وہ ذوقِ غزل پیرِ ناتواں میں نہیں

[۱] اس غزل سے لے کر آخر تک کا کلام دیر میں موصول ہونے کے سبب سے خلافِ اصل ترتیب آخر میں درج کیا گیا ۔ مرتب

شاد - جناب بابو تربھنی سرن صاحب بی - اے - ال - ال - بی

مین پوری

سکون دل میں نہیں اضطراب جاں میں نہیں
وہ راز ہوں کہ جو خود فہمِ رازداں میں نہیں

قرارِ یاس بھی حاصل غمِ نہاں میں نہیں
اسی جہاں کی فضائیں اسی جہاں میں نہیں

دلِ حزیں میں نہیں جانِ ناتواں میں نہیں
عیاں عیاں میں نہیں کچھ نہاں نہاں میں نہیں

ملا دے اپنی نگاہوں سے اور مرے دل سے
وہ ایک رشتۂ باقی جو جسم و جاں میں نہیں

ہوا ہے شوق بھی آلودۂ نظر کیوں ہو
غبارِ دید مرے حسنِ رائیگاں میں نہیں

کسی کو ذوقِ جنوں خیز بھی تو حاصل ہو
بہار میں وہ بلائیں ہیں جو خزاں میں نہیں

نگاہِ ناز عطا کر دے ہستیٔ دل کو
وہ اک نفس جو غمِ عیشِ جاوداں میں نہیں

اس اِتصال میں گنجائش نظر کیسی
گذر خیال کا جس قربتِ نہاں میں نہیں

کہاں سے دل کے دھڑکنے کی آ رہی ہے صدا
کوئی نشان مرے زخمِ بے نشاں میں نہیں

ہزار بار ملے پھر بھی روح و تن نہ ملے
کوئی مکاں میں نہیں کوئی لامکاں میں نہیں

جناب شاد کی اس بیخودی کو کیا کہیے
خودی یقیں میں نہیں ہے خدا گماں میں نہیں

شاعر کا نصب العین

جناب مولوی محمد حاذق صاحب ایم۔اے۔ ال۔ ال۔ بی۔ فارسی لکچرر
(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

کشمکش زارِ حیاتِ مادّی سے برکنار — دامنِ صحرا ہے یا گہوارۂ حسنِ بہار
جھومتے ہیں وجد میں آ کر ادھر سرو سہی — نغمہ برلب اس طرف رقصاں ہے موجِ جوئبار
لالۂ رنگیں قبا ہے اور بیانِ داغِ عشق — بلبلِ شیریں نوا ہے اور حدیثِ حسنِ یار
دے دیا آخر شعاعِ خور نے پیغامِ وصال — برگِ گل پر کب سے شبنم کر رہی تھی انتظار
اس طرف کبکِ دری محوِ خرامِ ناز ہے — اس طرف طاؤس رقصاں ہے میانِ لالہ زار
کتنی مضطر ہیں نگاہیں مہرِ عالم تاب کی — کیوں لبِ گل پر نہ آئے خندۂ بے اختیار
کون جانے کس کی نظروں نے کیا اس کو گداز — اک خروشِ مستقل ہے اور جانِ آبشار
شاعرِ رنگیں نوا کب تک رہے آخر خموش — دیکھ کر تردستیٔ فطرت کے یہ نقش و نگار
حسنِ فطرت سے نہ کیوں شاعر کو ہو جوشِ نوا — چاندنی سے جبکہ ہوتا ہے سمندر بے قرار
خود بخود اٹھتی ہیں موجیں نغمۂ بیتاب کی — جب نگاہیں جلوۂ رنگیں سے ہوتی ہیں دوچار
مختصر لفظوں میں ہے شاعر کی بس یہ کائنات — ایک آہِ مضطرب اک گریۂ بے اختیار
ایک شاعر کو بسیطِ خاک سے کیا واسطہ — اس کی فطرت ہے حریمِ قدس کی آئینہ دار
ایک شاعر کو غمِ سود و زیاں سے کیا غرض — عالمِ لاہوت سے جاری ہے اس کا کاروبار
تنگ ہے ہنگامۂ ہستی سے دل جیسے اسے — ہے تخیّل کی فضائے قدس اس کی رہگزار
عالمِ وارفتگی ہیں دیکھیے جائے کہاں — شوق نامحدود اور منزل ہے ناپیداکنار
آپ اپنا مدعا ہے نغمۂ رنگین شعر — جستجوئے گوہرِ مقصود ہے شاعر کو عار

پوچھتے ہیں آپ، کیا شاعر کا نصب العین ہے
یاں زمین و آسماں کا فرق فی ما بین ہے

پوچھتے کیا مجھ سے ہو سود و زیانِ شاعری — پاک ہے ان خار و خس سے گلستانِ شاعری
آپ لیتے ذوق سے ہیں شعر کا لطفِ سخن — بے نیازِ گوشِ سامع ہے زبانِ شاعری
اس کی فطرت بے قراری اس کی ہستی اضطراب — شعلۂ بے تاب ہے برقِ تپانِ شاعری
جرم ہے اس بزمِ مدہوشی میں قصد و اختیار — بے خودی بے اختیاری ہے نشانِ شاعری
شعر سے جز شعر جس کا اور کچھ مقصود ہو — ہے حرام اس پر سجودِ آستانِ شاعری
حسنِ نامحدودِ فطرت اس کا نصب العین ہے — ختم ہو سکتی ہے کیوں کر داستانِ شاعری
آپ سنیے یا نہ سنیے نغمہ ہائے عندلیب — جستجوئے گوش میں کب ہے فغانِ شاعری
روز اک دنیا نئی آباد کرتا ہے خیال — بے نیازِ دو جہاں ہے نکتہ دانِ شاعری
اس کا سرچشمہ تاثر اس کی خاصیت اثر — غایت و مقصد سے ارفع ہے جہانِ شاعری
خود بخود کھنچتے چلے آتے ہیں دل اس کی طرف — ورنہ سعیِ دل کشی ہے ننگِ شانِ شاعری
دل کا اندازِ تپش ہو نغمۂ بیتاب میں — مختصر الفاظ میں یہ ہے بیانِ شاعری
فکر کے بازو میں خلّاقی کی طاقت چاہیے — کھینچنا آساں نہیں ہے کچھ کمانِ شاعری
فلسفہ درکِ حقائق شاعری تخلیقِ حسن — فلسفی کیا خاک ہوگا رازدانِ شاعری
یاں تحیّر ہے بصیرت، جبر ہے یاں اختیار — ہے جدا سب سے زمین و آسمانِ شاعری
معصیت ہے اس حریمِ قدس میں سعی و تلاش — غیب سے لاتا ہے ہاتف ارمغانِ شاعری

کیوں نہ بزمِ لامکاں تک ہو پرِ پروازِ شعر
خود اسی دنیا سے لب تک آتی ہے آوازِ شعر

شاعری کیا ہے فروغِ حسنِ پنہاں دیکھنا — خاکدانِ آب و گل میں عالمِ جاں دیکھنا
عشرتِ فردا بسر مستیِ غمِ امروز میں — پردۂ شب میں بہارِ صبحِ خنداں دیکھنا

حسن کا اک نقطۂ موہوم رکھکر سامنے
تا سوادِ لامکاں کرنا تگا پوئے جنوں
کاٹ دینا سوزشِ پیہم میں ساری زندگی
قم باذن اللہ سننا شورشِ فریاد میں
سینۂ یخ سے طلب کرنا شرارِ زندگی
روح کو بیدار کرنا نغمۂ سیراب سے
ذرّۂ بے مایہ سے لینا سراغِ آفتاب
نغمۂ شادی سے لینا نوحۂ غم کا اثر

ہر قدم پہ منزلِ مقصد گریزاں دیکھنا
تا بداماں ازل چاکِ گریباں دیکھنا
رازِ محفل صورتِ شمعِ شبستاں دیکھنا
چشمِ گریاں میں سراغِ آبِ حیواں دیکھنا
جوہرِ آئینہ میں رقصِ رگِ جاں دیکھنا
معنیِ بے لفظ کی تصویرِ عریاں دیکھنا
قطرۂ ناچیز کو لبریز طوفاں دیکھنا
صبحِ عشرت میں سوادِ شامِ ہجراں دیکھنا



شاعری کی حقیقت

از احسن مارہروی

الا یا ایہا الشاعر سنا وہ نظمِ روح افزا — کہ پائیں جس میں کیفیت مثالِ نشۂ صہبا
تکلم شعر کا ہو ہمنوائے قلقلِ مینا — بنے دروازۂ مے خانہ ہر اک مصرعِ زیبا

صدائے شعر خوانی سر بسر رندوں کی ہو حق ہو
مخالف مے کدے سے محملِ معنی نہ مطلق ہو

نشست اس طرح لفظوں کی ہو جیسے مجمعِ رنداں — دوائر حرفوں کے مانند جام و شیشہ و فنجاں
جو کاغذ قابلِ صافی تو نقطے کاگ کے شایاں — مدد یا ساقیِ کوثر! مہیا ہو یہ سب ساماں

مزا آئے شرابِ کہنہ کا اس تازہ پانی میں
چلائیں کشتیِ مے ہم طبیعت کی روانی میں

شرابِ کہنہ کیا؟ یعنی پرانی شاعری، جس پر — نئی تہذیب والے معترض ہوتے ہیں یہ کہکر
گل و بلبل کے افسانے وصال و ہجر کے دفتر — ہوئے بوسیدہ و پارینہ ان کو چھوڑ دو یکسر

بصد تکرار کیوں بے کار یہ اذکار پیہم ہیں
نیا منظر نئی باتیں نئے مضموں کیا کم ہیں

یہ کہنا ایک حد تک نوجوانوں کا بہت سچ ہے — قدیم اشعار میں آخر کی بھرتی کچھا کچھ ہے
اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے بے کار ان کا لالچ ہے — نہیں جو قابلِ تسلیم کیوں اس بات کی پچ ہے

بعینہٖ بس یہی حالت ہے تکرارِ خیالی میں
مویشی منہ چلایا کرتے ہیں جیسے جگالی میں

مگر با ایں ہمہ بے کار یہ فن ہو نہیں سکتا — لگا کر آنکھ اس سے کوئی غافل سو نہیں سکتا
شناورِ قلزمِ معنی کا بیڑا ڈوب نہیں سکتا — اگر چاہے، تو شاعر وقت اپنا کھو نہیں سکتا

ہر اک رنگِ سخن مجموعۂ نیرنگِ مضموں ہے

سنیں سب! شاعری کیا چیز ہے، کیا کرتی دھرتی ہے — یہ اُس کا کام ہے، کوزے میں اک دریا کو بھرتی ہے
جو شے آتی ہے اُس کے قبضے میں وہ کب بکھرتی ہے — کہ ساری منتشر چیزوں میں پیدا میل کرتی ہے

نتیجے میل کے جو کچھ بھی ہوتے ہیں وہ ظاہر ہیں
سمجھتے ہیں حقیقت خوب اس کی جتنے ماہر ہیں

یہ ہے فنِ لطیف، اک ذی خرد نقاش کی صورت — چھپاتی ہے انھیں چیزوں کو ہوتی ہیں جو بدہیئت
بُری ہیں جو نظر میں ہے انھیں سے دل کو بھی نفرت — جبھی تو شاعری سے ہوتی ہے مانوس اک خلقت

نہ کیوں کر شاہدِ معنی ہو یکتا حسنِ صورت میں
نہاں اک نور کا پتلا ہے شاعر کی طبیعت میں

کمندِ شاعری کو فکر کیا ہے گر بلندی ہے — کہ اس کی پستیِ مضموں میں بھی مضمر بلندی ہے
زوالِ شاعری یہ ہے کہ پستی ہر بلندی ہے — کمالِ شاعری یہ ہے بلندی سر بلندی ہے

وہی شاعر ہے جو اک رائی کو پربت بناتا ہے
مجازی صورتیں رنگِ حقیقت میں دکھاتا ہے

مجاز اور استعارے سے عبث کوئی بھڑکتا ہے — گوئی کانٹا نہیں تشبیہ، ناحق دل کھٹکتا ہے
کم راہِ عدم بھی ہو تو کب رہرو بھٹکتا ہے — یہیں کیفِ سخن آتا ہے ناصح کیوں بہکتا ہے

مزا ملتا ہے ان باتوں میں ان کو جو سخنور ہیں
مرصّع کاریاں سب شاہدِ معنی کا زیور ہیں

خلافِ فطرت ان باتوں کو کہنا نامناسب ہے — کہ یہ فن مقتدر ہے اس کا ماہر ذی مناصب ہے
عطیہ ہے یہ وہبی، قدرتی ہر ایک کا سب ہے — کہے گا بدِ زاہد وہ نہ اس کو جو محاسب ہے

ہماری شاعری فعلِ عبث ہے، ہو نہیں سکتی
بدی کا بیج گلزارِ سخن میں بو نہیں سکتی

خدا نے آدمی کو اصل میں پیدا کیا عریاں — طریقِ سترپوشی سے بھی تھا واقف نہ وہ نادان

ہوئے عقل و خرد سے جب مکمل حضرتِ انساں
تو ٹوپی، کرتہ، پاجامہ سبھی کچھ بن گیا ساماں

یہ ساماں جو بنایا ہے بگاڑا جا نہیں سکتا
نہ ہو جب تک لباسِ گرم جاڑا جا نہیں سکتا

یہی سب رنگ ہیں تشبیہ میں اور استعارے میں
انھیں سے دلکشی ہے حسنِ معنی کے نظارے میں
صراحت کا مزا ہے، ہر کنائے ہر اشارے میں
غرض جو کچھ کہا کم ہے وہ اس صنعت کے بارے میں

تصنّع سے تنفّر سادہ لوحی کی نشانی ہے
کہ صنّاعِ ازل اس طرز کا بانی مبانی ہے

مگر ہاں وہ تصنّع ہے جو ہم معنائے مکّاری
بلاشک قابلِ نفرت ہے چھوڑو لغو گفتاری
یہ بیہودہ سرائی ختم ہونی چاہیئے ساری
اسی پر غیر ہنستے ہیں۔ یہی ہے باعثِ خواری

لباس اچھا پہننا چاہیئے ہر ذی وجاہت کو
بناؤ سوانگ بھر کر تم نہ اصلی شکل و صورت کو

بہت افراط تفریط ان دونوں ہے ہر طرف ظاہر
اب ان میں ایشیائی ہوں کہ ہوں وہ نیچرل شاعر
نہ باتیں ان کی سب بد ہیں نہ اقوال ان کے سب نادر
کہیں مجبور ہے کوئی کہیں کوئی نہیں قاصر

جو باتیں صاف سچی ہوں انھیں کیا کوئی جھٹلائے
یہ ناممکن کہ خاک آڑنے سے نورِ مہر چھپ جائے

بُری ہے سادگی جس میں ہو شانِ جامہ عریانی
وہ کیا گل کاریاں جن میں ہو گندی عطر افشانی
نہ بہتر وہ کبھی حد کی نہ اچھی یہ فراوانی
مگر ہے اعتدال ایسا نہیں جس کا کہیں ثانی

روش اچھی ہے یہ سب کا یہی دستور ہو جائے
دعا ہے سعیِ احسن یا خدا مشکور ہو جائے

